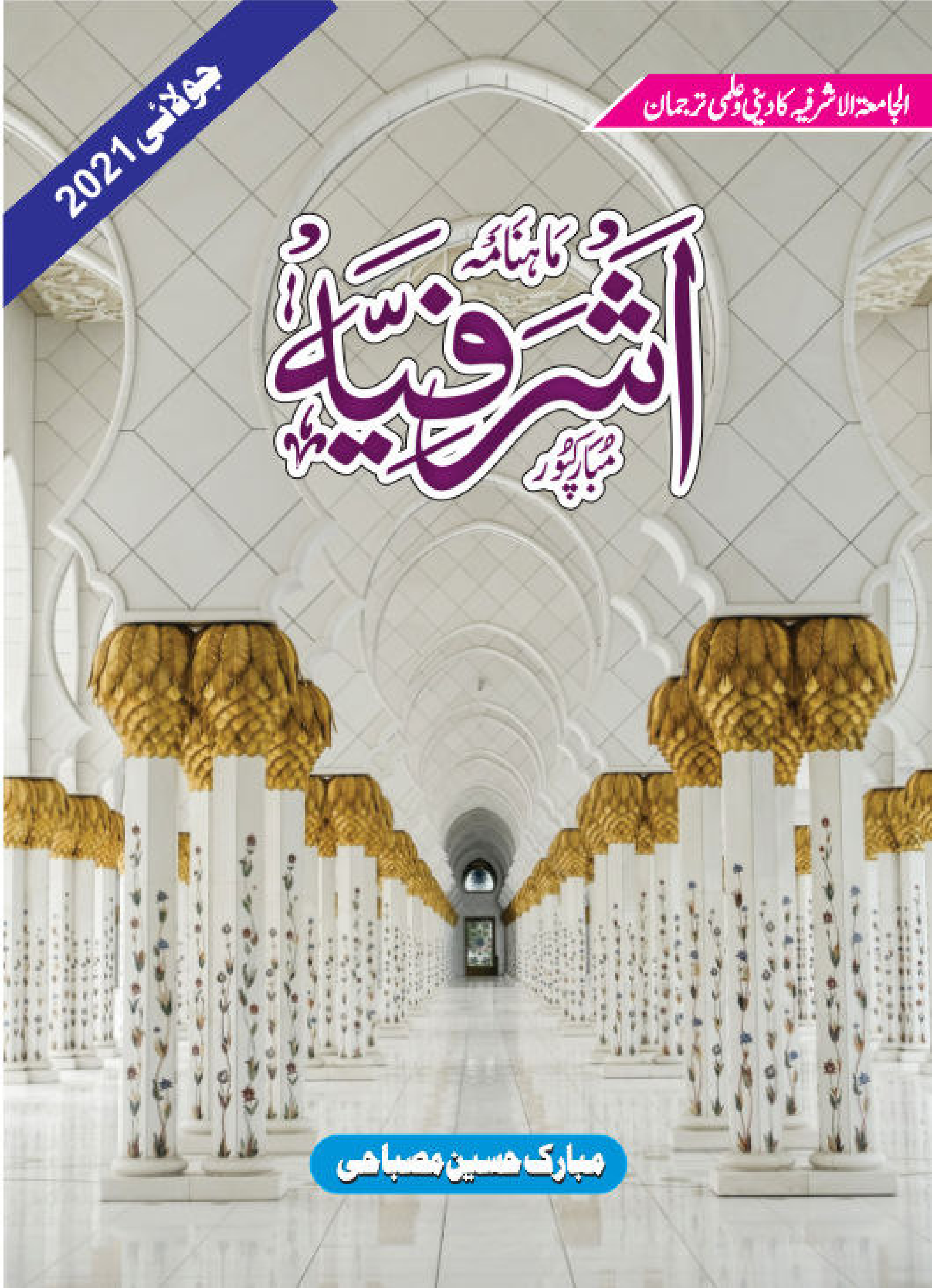

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

جولائی 2021

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارک پور

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

ذی الحجہ 1442 | جولائی 2021 | جلد: 45..... شمارہ 7

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا محمد عبد المبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴	**THE ASHRAFIA MONTHLY** Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404	قیمت عام شمارہ: 30 روپے سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپے سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپے
چیک اور ڈرافٹ بنام ASHRAFIA MONTHLY بنوائیں	کوڈ نمبر 05462 دفتر ماہنامہ اشرفیہ 250149 الجامعۃ الاشرفیہ 250092 دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122	سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ 750 روپے دیگر بیرونی ممالک 25$ امریکی ڈالر 20£ پونڈ

ASHRAFIA MONTHLY
A/c No. 3672174629
Central Bank Of India
Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532
اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

Email : ashrafiamonthly@gmail.com
mubarakmisbahi@gmail.com
info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نگارشات

اداریہ	مثبت سوچ اور پیہم کوشش کے نتائج	توفیق احسن برکاتی	3
	تعزیات		
تعزیت نامے	ڈاکٹر شکیل احمد مصباحی علیہ الرحمہ	عزیز ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ عزیزی	5
	الحاج حافظ محمد عمر علیہ الرحمہ	مفتی محمد نظام الدین رضوی	6
	خطبات		
خطاب نایاب	حضور عزیز ملت دام ظلہ کا عظیم خطاب بنام علم نور ہے	محمد اعظم مصباحی مبارک پوری	7
	تحقیقات		
علمی تحقیق	حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی - بحیثیت مفسر	مولانا نفیس احمد مصباحی	11
	فقہیات		
آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں علمائے دین؟	مفتی محمد نظام الدین رضوی	16
	نظریات		
فکر امروز	غلامی، انانیت اور نادانی کے تین تاریخی کردار	پٹیل عبدالرحمٰن مصباحی	18
	اسلامیات		
شعاعیں	سیرت نبوی میں رحم و کرم کے تابندہ نقوش	مولانا محمد طارق نعمان	20
اسلامی معاشرت	اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق	محمد اشفاق عالم نوری فیضی	22
	صوفیات		
بزم تصوف	ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کا دورِ اول	مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	24
	شخصیات		
انوار حیات	مولانا وکیل احمد سکندر پوری۔ احوال و آثار	توفیق احسن برکاتی	30
یادِ رفتگاں	مولانا ڈاکٹر شکیل اعظمی مصباحی	مولانا اختر کمال قادری	37
	بزمِ دانش		
فکر و نظر	مدارسِ اسلامیہ اور ہماری ذمہ داریاں	نعیم الدین فیضی برکاتی/حافظ محمد ہاشم قادری	40
	ادبیات		
تعارف و تجزیہ	علامہ محمد احمد مصباحی۔ احوال و افکار	ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی	44
نقد و نظر	احادیث صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف	تبصرہ نگار: توفیق احسن برکاتی	48
خیابان حرم	منظومات	غیاث الدین احمد عارف مصباحی/ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی/مہتاب پیامی	52
	مکتوبات		
صدائے باز گشت	محمد عسجد رضا مصباحی/آصف جمیل امجدی		53
	سرگرمیاں		
خیر و خبر	سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کی رہائش گاہ پر ٹیکہ کاری کیمپ کا انعقاد/الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں شجر کاری جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں محفل ایصال ثواب		56

۸۶/

مثبت سوچ اور پیہم کوشش کے نتائج

توفیق احسن برکاتی

قرآنی وضاحت ہے کہ انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے اور انسانی المیہ ہے کہ وہ بڑا سست رفتار بھی ہے، جلد بازی میں انجام دیے گئے نامکمل کام کا فوری اور مکمل نتیجہ چاہتا ہے اور آج کا کام کل پر ڈالنے میں اسے شرم بھی نہیں آتی، گویا انسانی زندگی میں دو متضاد رویوں کی کارفرمائی ہے جس کی وجہ سے اسے بار بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اور نفسیاتی طور پر وہ خود کو اپاہج، کمزور، مجرم، ناکارہ اور مجبور سمجھ لیتا ہے۔

یہ بیماری ہر عمر کے انسانوں میں پائی جاتی ہے اور جب تک اس کا علاج نہیں تلاش کیا جاتا یہ مرض بڑھتا رہتا ہے اور اس کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ تقریباً ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے اتنی عقل و دانائی بخشی ہے کہ اگر اس کا صحیح اور مثبت استعمال کیا جائے تو انسانی زندگی میں خوش گوار تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں گی لیکن انسان کی چالاکی اور اس کا شاطر دماغ اس کے برعکس کرنا چاہتا ہے تو اس کا نتیجہ بھی ویسا ہی نکلتا ہے۔ بعض انسان جلد بازی میں یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کامیاب انسانوں اور اس میں بہ ظاہر کچھ فرق نہیں ہے، سب کی نشو و نما تقریباً ایک جیسی ہے جسمانی ساخت میں بھی معمولی فرق ہے پھر وہ کامیاب ہیں اور یہ ناکام، ایسا کیوں؟

یہ سوال قابل غور تو ہے لیکن یہاں کامیاب انسانوں کی زندگی کا درست تجزیہ نہیں کیا گیا ہے ورنہ اس سوال کا جواب بھی فوراً مل جاتا۔ ظاہری نشو و نما اور جسمانی ساخت کا کامیابی میں کوئی خاص رول نہیں ہوتا اور نہ ہی انسان کی ظاہری خوبصورتی اس کی کامیابی میں اثر انداز ہوتی ہے، بلکہ جب انسان کی سوچ مثبت ہو اور وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرے، ساتھ ہی اپنے ہدف کو ذہن میں رکھ کر وہ مسلسل کوشش کرے تو کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ یہ سوچ کہ ”یہ کام میرے بس کا روگ نہیں“ منفی سوچ ہے اور ”میں اگر کوشش کروں تو ضرور یہ کام کر لوں گا“ ایک مثبت فکر ہے جس کا نتیجہ کامیابی ہے۔

یاد رکھیں! ہر انسان اول مرحلے ہی میں کام کے لائق نہیں ہوتا، اسے پہلے اس لائق بنتا پڑتا ہے کہ وہ فلاں کام کو انجام دے سکے، پھر واقعی وہ اس کام کو کرنے لگتا ہے، یہ انسان کی کامیابی کی کلید ہے جس نے اسے حاصل کر لیا وہ کامیاب لوگوں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کامیاب لوگوں میں وقت سب سے اچھا کردار ادا کرتا ہے، ایسے لوگ وقت کی سخت پابندی کرتے ہیں اور اسے بالکل بھی ضائع نہیں کرتے، کیوں کہ وقت برباد کرنا خود کو برباد کرنے جیسا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ایسے لوگ آج کا کام آج ہی کرنا چاہتے ہیں اور حتی المقدور اسے پورا کر لیتے ہیں یعنی وہ کل نتیجے کا انتظار کرتے ہیں اور ناکام انسان کام کو کل پر ٹال دیتا ہے اور نتیجے کا آج ہی انتظار کرتا ہے، یہی غلط رویہ اور منفی سوچ کامیابی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

اس لیے ہم جس میدان میں ہوں مسلسل حرکت وعمل ہماری زندگی کا لازمہ ہو، وقت کا صحیح استعمال کریں اور سستی اور تھکن سے بے نیاز ہو کر اپنی مشغولیت جاری رکھیں تو ہم بھی کامیاب لوگوں میں شمار ہوں گے۔

کوئی بھی کام چھوٹا ہو بڑا اہم سے پیہم توجہ کا تقاضا کرتا ہے اور جب انسان تجربات اور مشغولیات کی بھٹی میں تپ کر کندن بن جاتا ہے اب اگر وہ مٹی کو چھوتا ہے تو سونا بن جاتی ہے، اسے نہ مخالفتوں سے کچھ فرق پڑتا ہے نہ سد راہ بنی رکاوٹیں دیر تک باقی رہتی ہیں۔ دور کیوں جائیں ممتاز ماہر تعلیم، عالم باعمل، باکمال استاذ، دیانت دار منتظم، مقبول ترین خطیب اور خوش فکر مصنف حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ کے احوالِ زیست پڑھیں اور ان کی پیہم قربانیاں کی یادگار جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے دورِ عروج کو ملاحظہ فرمائیں تو اندازہ ہوگا کہ یہ ایک کامیاب انسان کے خوابوں کی سچی تعبیر اور اس کے مسلسل حرکت وعمل کا تاریخی نتیجہ ہے۔ یہاں ایک کامیاب انسان کے جملہ خصائص پوری توانائی کے ساتھ جلوہ گر ہیں، حافظ ملت علیہ الرحمہ ایک باکمال استاذ کی حیثیت سے بھی کامیاب اور سرخ رو ہیں اور صدر المدرسین اور سربراہ اعلیٰ کی حیثیت سے بھی بامراد ہیں، کسی مشن کو زندگی دینے کے لیے جب پسینہ نہیں خونِ جگر پلایا جاتا ہے تو اس مشن کی جڑیں اتنی گہرائی میں پیوست ہو جاتی ہیں کہ ہزار ہا طوفانوں اور آندھیوں سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔

ہم طالب علم ہوں یا معلم، منتظم ہوں یا سرپرست، بزنس مین ہوں یا کسی فرم کے ورکر، سیاسی لیڈر ہوں یا مذہبی سربراہ، عام ہوں یا خاص ہماری پہلی ترجیح یہ ہونی چاہیے کہ اپنا منصب پہچانیں، اپنے منصبی فرائض کے تقاضوں سے آگاہ ہوں اور ان کی ادائیگی میں کوتاہی بالکل نہ کریں یہ سارا کام مثبت اور تعمیری سوچ ہی سے ممکن ہو سکے گا ورنہ منفی سوچ والا انسان اپنا وقار بھی داو پر لگا دیتا ہے اور اپنے فرائض منصبی سے بے پروائی اس کا مزاج بن جاتی ہے، ایسا انسان سازشی اور مطلب پرست بن جاتا ہے اور انتقام اس کی زندگی کا مشن۔

مثبت سوچ کے بالمقابل منفی سوچ کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ انسان کو گھلا دیتی ہے اور انسانی فکر کی رگیں سکڑ جاتی ہیں، اس کی دماغی خلیات میں اختلاج کا جرثومہ بھر جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کے بلند سوچ میں انحطاط اور دماغ کی رفتار میں سستی پیدا ہو جاتی ہے جو آہستہ آہستہ بڑھتی رہتی ہے گویا منفی سوچ انسانی ذہن ودماغ کی خودکشی کے مترادف ہے اور حرکت وعمل کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ۔

مثبت سوچ کا حامل انسان ہمہ وقت اپنے کردار وعمل کا نفسیاتی جائزہ لیتا ہے جو کمیاں اور غلطیاں نظر آتی ہیں انھیں سدھارتا ہے اور مزید کامیابی کا روڈ میپ تیار کرتا ہے لیکن منفی سوچ رکھنے والا ہمیشہ دوسروں کی صبح وشام میں گھسا رہتا ہے ان کی کامیابی سے کڑھتا اور ناکامی پر خوش ہوتا ہے، نتیجتاً شیش محل اور ایر کنڈیشن کمرے میں سوتے ہوئے اِس کی راتوں کی نیند خراب ہوتی ہے اور وہ فٹ پاتھ پر آرام سے سو جاتا ہے، اس لیے کامیابی کی تمنا ہے تو مثبت سوچ اپنائیں اور اپنے کام میں مخلص رہیں۔

کون کیا نہیں کر رہا ہے؟ یہ اہم نہیں ہے، ہم نے کیا کیا یا ہم کیا کر سکتے ہیں؟ یہ زیادہ اہم ہے۔

☆☆☆☆

تعزیت نامہ

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی مصباحی علیہ الرحمہ

از: عزیز ملت حضرت علامہ **عبدالحفیظ عزیزی**، سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

جامعہ اشرفیہ اور ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی مصباحی کے تعلقات تقریبًا ساٹھ سال سے زائد عرصے کو محیط ہیں، آپ جامعہ اشرفیہ کے ممتاز فاضل اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید ہیں۔ انھوں نے استاذ محترم کی تعلیم و تربیت کا گہرا اثر قبول کیا تھا، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی مجلس شوریٰ کے اہم رکن بھی تھے، افسوس 17 رمضان المبارک 1442ھ مطابق 30 اپریل 2021ء کو ان کا انتقال پر ملال ہو گیا، إنا لله وإنا إليه راجعون. ان کے انتقال سے کافی رنج ہوا لیکن مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی ایک اچھے عالم دین، ممتاز شاعر و سخن ور، لائق ادیب اور حاذق طبیب تھے، حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے معتمد معالج بھی رہے، جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے 1961ء میں ان کی فراغت ہوئی، اس وقت سے تادم وصال انھوں نے کسی نہ کسی طرح خود کو اپنے مادر علمی سے مربوط رکھا، ایک یادگار ترانۂ اشرفیہ بھی لکھا تھا جو اہم مواقع پر جامعہ میں پڑھا جاتا ہے، ان کے انتقال سے ہم نے ایک اچھا دوست، ایک اچھا انسان اور ایک اہم مشیر کھو دیا، اللہ عزوجل ان کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین۔

18 رمضان المبارک 1442ھ
1 مئی 2021
یک شنبہ

شریک غم
عبدالحفیظ عفی عنہ
سربراہ اعلی الجامعۃ الاشرفیہ
مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

تعزیت نامہ

استاذ الحفاظ الحاج حافظ محمد عمر مبارک پوری

از: محقق مسائلِ جدیدہ مفتی **محمد نظام الدین رضوی**، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

استاذ الحفاظ الحاج حافظ محمد عمر صاحب مبارک پوری آج دنیاے فانی سے رخصت ہو گئے **إنا لله وإنا إليه راجعون**.. استاذ الحفاظ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سابق استاد تھے۔ عرصہ دراز تک اس ادارہ میں اپنی خدمات انجام دیں۔ سیکڑوں حفاظ ان کی درس گاہ سے فیض یاب ہوئے، جو آج مختلف دینی شعبوں میں اپنی ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں۔

استاذ الحفاظ بڑے خوش اخلاق، ملنسار اور اہل علم کے قدر داں تھے۔ شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ مبارک پور کی بزم شعروادب کے ایک اہم رکن تھے۔ بہت سے نعتیہ کلام نظم کیے ہیں۔ تفریحی اور طنزیہ شاعری سے بھی محظوظ کرتے تھے۔ افسوس کہ آج رحلت فرما گئے۔ اپنی نعتیہ شاعری اور سیکڑوں حفاظ کی جماعت تیار کرنے کی وجہ سے وہ برسوں زندہ رہیں گے اور لوگوں کے ذہنوں میں بسے رہیں گے۔

اللہ عزوجل استاذ الحفاظ کو غریق رحمت فرمائے اور جملہ پس ماندگان کو صبر و شکر سے نوازے۔

اللهم اغفر له ، وارحمه، واعف عنه، واكرم نزله، ووسع مدخله، واغسله بالماء والثلج والبرد، ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الأبيض من الدنس وابدله دارًا خيرًا من داره، وأهلا خيرا من أهله ، وزوجا خيرا من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر وعذاب النار . آمين بجاه سيد المرسلين ﷺ.

شب 4 ذی الحجہ 1442ھ — محمد نظام الدین رضوی مصباحی

14 جولائی 2021 — شیخ الحدیث وصدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

خطاب نایاب

حضور عزیز ملت دام ظلہ الاقدس کا عظیم خطاب-بنام

علم نور ہے

یہ خطاب آج سے تقریباً 21/ سال پہلے پروردۂ آغوش ولایت عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ عزیزی دام ظلہ الاقدس سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے دارالعلوم قادریہ غریب نواز (ساؤتھ افریقہ) میں ارشاد فرمایا تھا۔ افادیت کے پیش نظر اسے شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

ترتیب و پیش کش: **محمد اعظم مصباحی مبارک پوری**، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا
(سورۂ فاطر:35، الآیۃ:28)

صدق اللہ مولانا العظیم و بلغنا رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک لمن الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العلمین.

اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد معدن الجود والکرم وعلی آلہ وبارک وسلم صلاۃ ولاما علیک یا رسول اللہ ﷺ

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے
برستا نہیں دیکھ کر ابر رحمت
بدوں پر بھی برسا دے برسانے والے
تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے وہ جانے والے
مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے
فقیروں غریبوں کے ٹھہرانے والے

آج میری خوشی کی انتہا نہیں ہے اس لیے کہ جس ادارے کی خدمت میں انجام دے رہا ہوں اور جس ادارے سے میں وابستہ ہوں اسی کا فیضان آج میری نگاہوں کے سامنے ہے یعنی دارالعلوم قادریہ غریب نواز جو یہاں پر قائم ہوا ہے وہ ایک کڑی ہے الجامعۃ الاشرفیہ کی۔ الجامعۃ الاشرفیہ کا میں ایک خادم ہوں۔ میں اپنی خوشی کا اظہار میں اپنے آنسوؤں سے کر رہا ہوں اور آپ کو مبارک باد پیش کر رہا ہوں۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ حضرت مولانا سید علیم الدین صاحب مصباحی نے ایک علم کا چشمہ یہاں جاری کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ رکھے اور اس کو پروان چڑھائے۔ آمین۔

علم کے متعلق حدیث پاک میں ہے "العلم نور" علم نور ہے، لائٹ ہے، روشنی ہے۔ علم تاریکی کو دور کرتا ہے، جہالت ختم کرتا ہے۔ علم والے کی برابری کوئی جاہل نہیں کر سکتا، کوئی اندھیرے میں رہنے والا نہیں کر سکتا اس لیے قرآن نے فرمایا: " هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ "(سورۃ الزمر:30، الآیۃ:9)

جیساکہ آپ نے حضرت علامہ یٰسین اختر صاحب سے سماعت فرمایا:
صرف میں اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کون سا علم روشنی ہے؟ اس لیے کہ زمانہ ہمارے سامنے ہے، طبقات ہمارے سامنے ہیں، تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ علم ہر زمانہ میں رہا ہے کوئی اس بات کا انکار نہیں کر سکتا۔ مذہب اسلام کی آمد سے پہلے بھی علم موجود تھا، تاریخ بھی موجود تھی، کیرکٹر بھی موجود تھا، تہذیب و تمدن بھی موجود تھا لیکن انسانیت کو سکون نہیں تھا، یہ انسانیت کے سکون و اطمنان کی بات نہیں ہے کہ رومیوں کے بارے میں جس کا ڈنکا دنیا میں بج رہا تھا، جس کی تاریخ پڑھ کر انسان اس سے روشنی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن ان کی تاریخ یہ تھی کہ جب وہ کہیں فاتح ہوتے تھے تو وہ

سواریاں ڈھونے والے جانوروں کی جگہ انسانوں کو استعمال کرتے تھے جو جشن منایا جا رہا تھا جو جلوس نکالا جا رہا تھا اس میں گاڑیوں کو کھینچنے کے لیے انسانوں اور قیدیوں کو استعمال کیا جا رہا تھا۔ آپ مجھے بتائیں انسان جانوروں کی جگہ استعمال کرنے کے لیے ہے؟ یہ اس وقت رومی کیا کرتے تھے لیکن کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ رومیوں کے پاس علم نہیں تھا۔ علم تھا لیکن انسانیت کے مقام کو نہیں سمجھا رہا تھا۔ انسانیت کا پتہ نہیں دے رہا تھا What is humanity? کے مفہوم کو کوئی نہیں بتا رہا تھا۔ علم تھا اور ایسا علم تھا کہ جب کوئی شعر پڑھ دیا جاتا تو جنگیں ہو جایا کرتی تھیں، تلواریں نکل جایا کرتی تھیں یہ علم کی بات ہی تو تھی، لیکن انسان کتنا بے چین تھا، کتنا مضطرب تھا، کتنا پریشان حال تھا، علم کے ہوتے ہوئے انسان بے سکون تھا، انسانیت بے قرار نظر آ رہی تھی اس وقت علم تو تھا لیکن جس علم کی ضرورت انسانیت کو تھی، وہ نہیں تھا، انسانیت کو قرار اور اطمینان عطا کرنے والا علم تو ہمارے آقا و مولا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے دیا۔ تاریخ کا مطالعہ کریں۔ میرے آقا کی تشریف آوری سے پہلے کے حالات دیکھیں کہ انسان بے قرار ہے۔ اپنی سگی بچی کو زندہ در گور کر رہا ہے، کسی غریب کو اپنے قریب نہیں آنے دے رہا ہے۔ کیا غریب اللہ کے بندے نہیں ہیں؟ کیا یہ زمین ان کے لیے نہیں بنائی گئی ہے؟ یہ آسمان کا شامیانہ ان عام انسانوں کے لیے نہیں بنایا گیا ہے؟ ایسی تفریق تھی، انسانوں کے بیچ خلیج تھی۔ کیا اس وقت علم نہ تھا۔ بلا شبہہ اس وقت علم تھا لیکن میں نے جو کہا کہ جس علم کی انسانیت کو ضرورت تھی، جس علم سے انسانیت کی بے قراری ختم ہو سکتی تھی وہ علم نہیں تھا۔ وہ علم تو ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے انسان تو انسان کے حقوق کو پامال کر رہا تھا لیکن جب میرے آقا کی دنیا میں جلوہ گری ہوئی تو حقوق انسان کی تعلیم دے رہے ہیں، ایک رب کی بندگی کا شعور دے رہے ہیں، رب کا سجدہ کر رہے ہیں یا رب ھب لی امتی کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔

میرے آقا کی بعثت سے پہلے کا زمانہ اگر نگاہوں کے سامنے رکھو گے تو معلوم ہوگا کہ انسان اس وقت پتھروں کی پرستش کر رہا تھا، پہاڑوں کو عبادت کرتا تھا۔ پانی کو اپنا معبود کہتا تھا لیکن میرے آقا ﷺ نے ایک خدا کو سجدہ کر کے اس بات کی تعلیم دے دی کہ انسان اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے قرآن کریم نے اسی کی تعلیم دی " وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ " (سورۃ الذاریات: 51، الآیۃ: 56) لیکن انسان اس آفاقی پیغام کو بھول چکا ہے، وہ اپنی ذمہ داریوں کو بھول چکا ہے۔ میرے آقا ﷺ نے اس بات کا علم دیا کہ تو ایک خدا کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اس کی بارگاہ میں تو سر بسجود ہوگا تو تیرا سر اتنا بلند ہو جائے گا کہ اس بلندی کو کوئی چھو نہیں سکتا ہے، اس بلندی کو کوئی ناپ نہیں سکتا ہے۔

آپ نے دیکھا میرے آقا نے پیدا ہوتے ہی حق اللہ کی تعلیم دے دی ہے حق العباد کی بھی تعلیم دے دی ہے۔ انسانیت کو جس علم کی ضرورت تھی میرے آقا نے اسے وہ علم عطا فرما دیا ہے۔ اپنے عمل سے یہ درس دے دیا ہے کہ میری ہی تعلیم انسانیت کو دوام بخشنے والی ہے اگر اس پر عمل پیرا ہو جاؤ تو اپنے مقام عروج و ارتقا کو پا سکتے ہو۔ اس لیے میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ تعلیم انسان کے لیے ضروری ہے جو میرے آقا کی بارگاہ سے چلی ہے، جو میرے آقا سے ملی ہے اس تعلیم کو جب انسان اپنائے گا تو اپنے مقام کو سمجھے گا، دوسروں کے حقوق کو سمجھے گا، دوسروں کے معاملات کو سمجھے گا، دوسروں کی تکلیف کو سمجھے گا اور ان کو تکلیف دینے سے گریز کرے گا۔ میرے آقا ارشاد فرماتے ہیں:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ"

(صحیح البخاری، کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون)

حقیقی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ سے، جس کی زبان سے دوسرا انسان محفوظ رہے۔ میرے آقا نے کیا فرمایا؟ کامل مسلمان وہ ہے جس کے زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں جب ایک انسان کی عادت بنے گی زبان کو سنبھالنے کی، ہاتھ کو سنبھالنے کی تو اب وہ کسی کے ساتھ نہ ہاتھ سے زیادتی کر سکتا ہے، نہ زبان سے زیاتی کر سکتا ہے اس لیے جب ہم تعلیمات عالم کو سامنے رکھتے ہیں تو ہمارے سامنے دنیا کی تعلیمات بھی سامنے آتی ہیں اور مصطفی کریم ﷺ کی تعلیمات بھی ہیں لیکن ایک مسلمان بلکہ ایک انسان کے لیے جن تعلیمات کی حقیقی معنوں میں ضرورت ہے وہ میرے مصطفی کریم ﷺ کی تعلیمات ہیں۔

میرے آقا علیہ السلام فرماتے ہیں:

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ

(سنن ابن ماجہ المقدمۃ اباب فضل العلماء والحث علی طلب العلم)

علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

اتنا تو فرض ضرور ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ثابت کر سکے اور یہ علم کہاں سے آئے گا؟ نہ ڈاکٹری سے آئے گا، نہ انجینئرنگ سے

آئے گا، نہ سائنس سے آئے گا اور نہ دنیاوی تعلیم اور عصری علوم سے آئے گا اگر آئے گا تو میرے آقا کی تعلیم سے آئے گا۔ اسی تعلیم کو دینے ہی کے لیے میرے مصطفیٰ تشریف لائے ہیں اور اپنی تعلیم کو اپنانے والوں کے لیے اللہ کا پیغام بھی سنا رہے ہیں کہ اے میری تعلیم کو لینے والو! تمھاری شان تو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے:

"اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا"

(سورۃ فاطر:۳۵، الآیۃ:۲۸)

مجھ سے تو میرے وہی بندے ڈرتے ہیں جو میرے نبی کا علم لیے ہوئے ہیں۔ اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

انھی کے لیے میرے آقا نے فرمایا: "**العلماء ورثة الانبياء**"

(سنن ابی داؤد کتاب العلم، اباب الحث علی طلب العلم)

علما وارثِ نبی ہوا کرتے ہیں۔

نبی جب دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں تو ان کی ساری جائداد، مکان اور مال سب وقف اللہ ہوتا ہے، کوئی چیز کسی وارث کی نہیں ہوتی تو پھر اس فرمان رسالت "العلماء ورثة الانبیاء" کا مطلب کیا ہوا؟ علما کس چیز کے وارث ہوتے ہیں؟ یہ وہی چیز ہے جسے ہم علم دین کہتے ہیں، علم انبیا کہتے ہیں۔ جب نبی کے علم کا حصول ہوگا تب یہ وارث انبیا ہوں گے۔

اس لیے ہم یہ عہد کریں کہ اس تعلیم کو حاصل کریں گے، اس کی حفاظت کریں گے، اس سے انسانوں کے ذہنوں کو صاف کریں گے اور اس سے اللہ کی معرفت حاصل کریں گے۔

میں آپ حضرات کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ آپ نے دارالعلوم قادریہ غریب نواز تعمیر کر کے میرے آقا کا علم حاصل کرنے کا ایک موقع فراہم کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں جدید عصری علوم کا مخالف نہیں، اس لیے کہ میرے والد بزرگ وار حضور حافظ ملت قدس سرہ نے خود مجھ کو ان علوم کے سیکھنے کا حکم فرمایا، جس یونیورسٹی کے حضور امین ملت پروفیسر ہیں اس کا میں طالب علم رہ چکا ہوں۔ عصری علوم حاصل کرنے کا میں مخالف نہیں ہوں، میرے امام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں فلسفہ و منطق کی تعلیم اس لیے حاصل کی جاتی ہے تا کہ اس سے ہم اسلامی گتھیوں کو سلجھا سکیں، اسلام کو پھیلا سکیں یعنی آپ کی بارگاہ میں فلسفہ و منطق بھی آکر مسلمان ہو گیا۔ میرے امام امام اہل سنت نے بھی یہ ذہن و فکر دے دیا ہے کہ ہم دوسری بھی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں لیکن اس تعلیم کا اثر اپنے اوپر نہیں ہونا چاہیے، ہم اس تعلیم کو اپنے اسلام کے فروغ و تبلیغ کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

آپ ہی بتائیں کہ ہم اس ملک میں اردو بول رہے ہیں جس میں 70٪ فیصد لوگ اردو نہیں جانتے، اس لیے حافظ محمد اسماعیل صاحب کو یہ تکلیف دی جا رہی ہے کہ ذرا اس کا ترجمہ کر دیجیے۔ ہماری اسلامی زبان تو عربی ہے، عربی زبان میں ہمارا سرمایۂ حیات موجود ہے۔ لیکن یہاں اسلام کو پھیلانے کے لیے انگریزی کی ضرورت ہے، ہم انگریزی اس لیے پڑھیں گے کہ اسلام کو آپ تک پہنچا سکیں، اس لیے نہیں پڑھیں گے کہ اس تعلیم کو اپنے اوپر مسلط کر لیں۔ یہی ذہن و فکر ہمارے امام اہل سنت ہمیں عطا فرمایا ہے۔

اس لیے میں عرض کروں گا اس ادارے سے ہماری وابستگی ہمارے عقیدے کی حفاظت ہے۔ ہمارے ملک کی حفاظت ہے، اولیاء اللہ سے محبت و عقیدت کی حفاظت ہے۔ آپ اس ادارے سے وابستہ رہیں۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ آپ نے اتنی عظیم بلڈنگ دارالعلوم قادریہ غریب نواز کی بنوا دی ہے اب اس عمارت کو سجانے کے لیے آپ کو اپنے بچوں کو بھی دینا ہوگا، آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کو مسلمان رکھنے کے لیے دینی تعلیم دلوائیں۔ جیسے آپ اپنے بچوں کو ڈاکٹر، انجینئر بنا رہے ہیں ویسے ہی اپنے بچوں کو مسلمان بنانے کے لیے انھیں دینی تعلیم سے آراستہ کریں۔ ایک واقعہ میں آپ کو سناتا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ دینی تعلیم حاصل کرنا کس قدر ضروری ہے:

واقعہ یہ ہے کہ ٹکیہ پارہ کے ایک مدرسے میں میں بیٹھا ہوا تھا دو لوگ آئے اور کہنے لگے کہ ہمیں کسی آدمی کو دے دیں نماز جنازہ پڑھانے کے لیے، اتفاق سے میں نے پوچھ لیا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ہم سولہ کلو میٹر دور سے آرہے ہیں۔ دل رونے لگ گیا کہ قوم مسلم اس حالت پر پہنچ گئی کہ سولہ کلو میٹر تک کوئی نماز جنازہ پڑھانے والا نہیں ملا۔ میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے اس کے لیے کوئی تیاری کیوں نہیں کی؟ جب ضرورت پڑے گی تو یہاں بھاگ کر آئیں گے؟ یہ آپ کی ذمہ داری تھی۔ آپ خود اس لائق ہوتے کہ نماز جنازہ پڑھا سکیں۔

میرے آقا نے یہ نہیں فرمایا کہ ایک گروہ ہی علم حاصل کرے، بلکہ فرمایا: **طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة.**

جس نے بھی لا الہ الا اللہ پڑھا ہے اس کے اوپر فرض ہے کہ

وہ ضروریات دین کا علم حاصل کرے۔ خدانخواستہ ایسا معاملہ ہو جائے اور سب لوگ علم دین سے غافل ہو جائیں تو کوئی نماز جنازہ پڑھانے والا ملے گا؟ یا میرا ہی بیٹا جسے میں نے علم دین سے الگ رکھ عصری علوم سکھائے اور کسی اونچے مقام پر پہنچ گیا، کسی کرسی پر بیٹھ گیا تو جب میرا جنازہ اٹھے گا، تو میرا ایسا بیٹا جو دینی تعلیم سے آراستہ نہیں ہے جو نہ استنجا کرنا جانتا ہے، نہ وضو کرنا جانتا ہے، نہ پاک ہونے کا طریقہ جانتا ہے، نہ نماز جنازہ کا طریقہ جانتا ہے، نہ اس کی دعا جانتا ہے تو وہ کنارے ہی کھڑا رہے گا۔ ہم نے اپنے سارے ارمانوں کو قربان کر کے بچے کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا لیکن آج جب ہمارا لاشہ پڑا ہوا ہے ہمارا جنازہ رکھا ہوا ہے تو ہمارا بیٹا اس لائق نہیں ہے کہ وہ آج ہمارے لیے مغفرت کی دعا کر سکے۔ ایسا بیٹا ہمارے کس کام کا ہوگا۔ اسی لیے میرے آقا ﷺ نے فرمایا:

كن عالما أومتعلما أو مستمعًا أومحباً ولا تكن الخامس فتهلك(أخرجه الطبراني عن ابي بكرة)

یعنی عالم بنو یا طالب علم بنو یا ان کی بارگاہ میں حاضر رہنے والے بنو یا ان سے محبت کرنے والے بنو۔

پوری قوم مسلم کو میرے آقا پیغام عطا فرما رہے ہیں، تباہی سے بچنے کا سامان عطا کر رہے ہیں۔ میرے آقا فرماتے ہیں یا تو عالم بنو، یا علم حاصل کرنے والے بنو، یا ان کی بارگاہ میں حاضر رہنے والو بنو یا ان سے محبت کرنے والے بنو، پانچواں نہیں بننا ورنہ تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ میرے آقا کی یہ تعلیم ہم سب کے لیے ہے اس لیے ہمیں اپنی تعلیم کی حفاظت کرنی ہوگی، اپنی تعلیم سے اپنے بچوں کو مربوط کرنا ہوگا، انھیں تعلیم سے آراستہ کرنا ہوگا۔ اس لیے میں عرض کروں گا کہ دینی تعلیم کی طرف توجہ دیجیے، اپنے اداروں سے محبت کیجیے۔ آپ اس عمر کو پہنچ گئے ہیں کہ آپ اس دار العلوم میں داخلہ نہیں لے سکتے لیکن آپ اپنے بچوں کو داخلہ تو کروا سکتے ہیں۔ یہ دار العلوم کی عمارت کس لیے ہے؟ قوم کو انسانیت کا شعور دینے کے لیے ہے، قوم کو زندگی دینے کے لیے ہے، قوم کی دنیا بنانے کے لیے ہے، قوم کی آخرت کو سنوارنے کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ تمامی حضرات کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ **آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین۔***

(ص:15 کا بقیہ)...

سوم: حرکتوں میں اشباع کرنا یعنی زیر زبر پیش کو آپس میں امتیاز دینا، تاکہ ایک دوسرے سے ملنے اور مشتبہ ہونے نہ پائے۔

چہارم: آواز کچھ بلند کرنا۔

پنجم: اپنی آواز اچھی کرنا اور پُر درد بنانا، تاکہ مطلوبہ تاثیر جلد حاصل ہو؛ کیوں کہ جو مضمون اچھی آواز کے ساتھ دل میں پہنچتا ہے اس سے روح کو لذت ملتی ہے، قوی اسے جذب کر کے بہت جلد روح تک پہنچا دیتے ہیں۔ اسی لیے اطبا نے کہا ہے کہ جب کسی دوا کی کیفیت دل کو پہنچانا منظور ہو تو اسے خوش بودار دوا کے ساتھ ملا کر کھلانا چاہیے؛ کیوں کہ دل خوش بوؤں کو اپنے اندر بہت جلد کھینچ لیتا ہے، تو ان کے ساتھ اس دوا کو بھی تیزی کے ساتھ اپنے اندر جذب کر لے گا۔ اسی طرح جب کسی دوا کا اثر جگر اور کلیجے تک پہنچانا مقصود ہو تو اس دوا کو میٹھی چیز میں ملا کر دینا چاہیے، کیوں کہ جگر مٹھاس کا عاشق ہے۔

(جاری)

(1) ۔شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، از ڈاکٹر ثریا ڈار، ص:110، اریب پبلی کیشنز، نئی دہلی

(2) ۔ملفوظات عزیزی، ص:۹۱، مطبع مجتبائی، میرٹھ، ذی قعدہ ۱۳۱۴ھ بحوالہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، ص:۳۰۴۔ (3)۔مصدر سابق۔

(4) ۔تذکرہ علمائے ہند (فارسی)، از مولوی رحمن علی، ص: 122، ایجوکیشنل پریس، کراچی، 1967ء۔

(5)۔شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، ص:255۔

(6)۔فتاویٰ عزیزی، ج:2، ص:33، ناشر رحمن پبلشرز، محلہ جنگی قصہ خوانی، پشاور۔

(7)۔فتاویٰ عزیزی، ج:2، ص:35، ناشر رحمن پبلشرز، محلہ جنگی قصہ خوانی، پشاور۔

(8)۔فتاویٰ عزیزی، ج:2، ص:36، ناشر رحمن پبلشرز، محلہ جنگی قصہ خوانی، پشاور۔

(9)۔فتاویٰ عزیزی، ج:2، ص:43، ناشر رحمن پبلشرز، محلہ جنگی قصہ خوانی، پشاور۔

(10)۔فتاویٰ عزیزی، ج:2، ص:44، ناشر رحمن پبلشرز، محلہ جنگی قصہ خوانی، پشاور۔

(11)۔فتاویٰ عزیزی، ج:2، ص:50، ناشر رحمن پبلشرز، محلہ جنگی قصہ خوانی، پشاور۔

(12)۔نزہۃ الخواطر، ج:7، ص:273۔

(13) تفسیر عزیزی، ج:1، ص:60،59، تفسیر سورۂ بقرہ۔

(14)۔تفسیر عزیزی، پارہ عم، سورۃ والضحیٰ، ص:214،213۔(جاری)

☆☆☆☆

انوار حیات

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ــــ بحیثیت مفسّر

مولانا نفیس احمد مصباحی

بر صغیر ہندو پاک میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اور ان کے فرزندان گرامی نے جو گوناگوں دینی و علمی خدمات انجام دی ہیں وہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں، قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ اور تصوف کے میدان میں ان کی خدمات تاریخ ہند کا ایک ناقابل فراموش باب ہے، بلکہ ان میں کچھ خدمات تو ایسی ہیں جن کا آغاز اسی خاندان عالی وقار کے افراد سے ہوا، خصوصیت کے ساتھ قرآن اور علوم قرآن کی نشر واشاعت کے سلسلے میں انھوں نے مثالی کوششیں فرمائیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ کیا، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا، اور شاہ عبد القادر نے ”موضح القرآن“ کے نام سے اردو میں اور شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ نے فارسی زبان میں تفسیر فتح العزیز تحریر فرمائی۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سب سے نام ور اور بافیض فرزند تھے، یوں تو انھیں کثیر علوم وفنون میں مہارت اور دست رس حاصل تھی، مگر سب سے زیادہ رجحان علوم قرآن وحدیث کی طرف تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت اسلامی درس گاہوں میں عمومی طور پر منطق وفلسفہ کی تعلیم وتدریس کا غلبہ تھا، سب سے بڑا عالم وہی مانا جاتا تھا جو علوم عقلیہ میں مہارت وکمال رکھتا ہو، عمومی طور پر قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی طرف لوگوں کی رغبت نہ تھی۔ اس کمی کو خود آپ کے والد گرامی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے محسوس کر لیا تھا، اس لیے اس بے توجہی اور بے رغبتی کو دور کرنے اور اس کی طرف لوگوں کو مائل کرنے کی غرض سے علوم قرآن وحدیث کا درس شروع فرمایا اور قولاً وعملاً اس کی خوب تبلیغ فرمائی، ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ارجمند حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے زبردست کوششیں فرمائیں، ان کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجے میں لوگوں کے اندر قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی تعلیم کا شوق پیدا ہوا، اور رفتہ رفتہ یہ شوق اتنا بڑھا کہ مسجدوں اور خانقاہوں میں مدارس اور مکاتب قائم ہو گئے۔ (1)

خود ملفوظاتِ شاہ عبد العزیز میں ان کا یہ قول منقول ہے:

”تیس سال سے دین کا کچھ چرچا ہے، ورنہ صبح سے شام تک بجز معقولات کے حدیث وتفسیر کی کتابیں کوئی کھول کر بھی نہ دیکھتا تھا، نہ کوئی پڑھتا تھا، اور نہ کوئی ان کے متعلق مسائل دریافت کرتا تھا، نہ کوئی حق کا طالب تھا، اب الحمد للہ اس کا بہت رواج ہو گیا ہے۔ (2)

جب آپ کے والد گرامی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا انتقال ہو گیا، تو آپ ان کی مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے، اور مسلسل بارہ سال تک تفسیر وحدیث کا درس دیتے رہے، اور جب آشوب چشم کی بیماری کے باعث بینائی جاتی رہی تو مجبوراً مدرسے میں تدریس کی ذمہ داری اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر کے حوالے کر دی، مگر اس دوران بھی تصنیف وتالیف، فتوی نویسی اور وعظ وارشاد کا کام برابر جاری رکھا، اور اس دوران خصوصی توجہ قرآن وحدیث کی طرف رہی۔

ملفوظات عزیزی میں ہے:

”جب سے آشوب چشم کی شکایت پیدا ہوئی ہے اس فن کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا چھوٹ گیا ہے، اور میں نے کتابیں اپنے چھوٹے بھائی کو دے دی ہیں۔ پھر یہ شعر پڑھا:

ما آں چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
اِلا حدیثِ دوست کہ تکرار می کنیم

یعنی قرآن مجید اور حدیث شریف کے سوا اب کسی کی مزاولت نہیں ہے۔ (3)

بینائی جاتے رہنے کے بعد قرآن اور علوم قرآن کی طرف آپ کی خصوصی توجہ کی دلیل آپ کی گراں قدر اور مایہ ناز تفسیر فتح العزیز معروف بہ تفسیر عزیزی ہے جو مختلف حیثیتوں سے ممتاز اور نمایاں ہے۔

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

تفسیر فتح العزیز:

یہ تفسیر فارسی زبان میں ہے، اور اس کے لکھنے کا باعث مولانا شاہ فخر الدین کے مرید خاص شیخ مصدق الدین عبد اللہ کی خواہش اور گزارش تھی، شیخ صاحب موصوف ہی نے مصنف کے یہاں رہ کر یہ پوری تفسیر نقل کی، جیسا کہ خود شاہ صاحب نے اس تفسیر کی جلد اول کے مقدمے میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔ وہیں یہ بھی مرقوم ہے کہ 1208ھ (مطابق 1793ء) میں آپ نے یہ کام انجام دیا۔

تفسیر فتح العزیز مکمل یا نامکمل؟

اس تفسیر کے سلسلے میں ایک بحث یہ اٹھتی ہے کہ شاہ صاحب نے پورے قرآن کریم کی تفسیر فرمائی ہے یا صرف سوا تین پاروں کی جو مطبوعہ صورت میں بہت سی لائبریریوں میں موجود ہے؟ عام خیال یہی ہے کہ شاہ صاحب نے اتنی ہی تفسیر لکھی جتنی آج قلمی یا مطبوعہ صورت میں دست یاب ہے، جیسا کہ تذکرہ علماے ہند میں مولوی رحمن علی کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے جو انھوں نے شاہ عبد العزیز صاحب کی کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”تفسیر سورۂ بقرہ و دو پارۂ اخیر قرآن مجید۔“(4)

اس خیال کی تائید صاحبِ مقالاتِ طریقت کے اس بیان سے ہوتی ہے جو انھوں نے وضاحت کے ساتھ دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”شاہ صاحب اپنی زندگی میں اس (تفسیر) کو مکمل نہ کر سکے، اس لیے آپ کے تلمیذ مولانا حیدر علی فیض آبادی (متوفی: 1299ھ) صاحبِ منتہی الکلام نے نواب سکندر بیگم والیۂ بھوپال کی خواہش پر اس کو ستائیس جلدوں میں مکمل کیا، اور حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی یہ تفسیر اکبر آباد کے قاضی کے یہاں موجود ہے، مگر چھپی نہیں“۔(5)

جب کہ خود شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ کے مجموعہ فتاویٰ ”فتاویٰ عزیزی“ میں متعدد مقامات پر ایسی عبارتیں لکھی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے۔ مثلا: ”ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۚ“ الخ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”نقلا من تفسیر فتح العزیز تحت قولہ تعالی فی سورۃ المؤمنین ”ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۚ“(6)

پھر آگے لکھتے ہیں:

”من تفسیر فتح العزیز فی سورۃ النساء تحت قولہ تعالیٰ: ”كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ“(7)

پھر ایک صفحہ کے بعد لکھتے ہیں:

”ایضا منہ من سورۃ الصافات من باب أسرار القصص تحت قولہ تعالیٰ: ”وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ“(8)

پھر کچھ آگے آیت کریمہ: ”وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ“ [ھود:7] کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”چناں چہ تفصیل آں دفعات در سورۂ سجدہ مذکور است، و در تفسیر فتح العزیز شرح آں بوجہ مستوفی مذکور شد، چوں این وقت حواس درست نہ بود نقل از مسودہ آں ممکن نشدہ۔“(9)

پھر ایک صفحے کے بعد آیت کریمہ ”اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ“ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”من تفسیر فتح العزیز: قولہ تعالیٰ: ”اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ“
واختلف فی هذه النجاسة التي دلت علیها الآیة فی حق المشرك۔“(10)

ایک اور مقام پر ”اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ“ کی تفسیر کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں:

”انتهی نقلا عن مسودة ”فتح العزیز“ فی سورة آل عمران (تحت) قوله تعالی: ”قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا“(11)

ان حوالوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ پورے قرآن کی تفسیر لکھ چکے تھے۔ اس کی تائید نزہۃ الخواطر کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

”أما مصنفاته فأشهرها تفسیر القرآن المسمی بـ ”فتح العزیز“ صنّفه في شدة المرض ولحوق الضعف إملاء وهو في مجلدات كبار .... ضاع معظمها في ثورة الهند، وما بقي منها إلا مجلدان من أول وآخر.“(12)

[یعنی شاہ عبد العزیز قدس سرہ کی تصنیفات میں سب سے مشہور تصنیف قرآن مجید کی تفسیر ہے جس کا نام ”فتح العزیز“ ہے، یہ تفسیر انھوں نے شدت مرض اور ضعف و نقاہت کے عالم میں املا کرائی ہے، یہ کئی ضخیم جلدوں کو محیط ہے... اس کا بڑا حصہ 1857ء کے ہنگامے میں ضائع ہو گیا، صرف اول اور آخر کی دو جلدیں باقی بچی ہیں۔]

طرزِ تفسیر:

تفسیر فتح العزیز میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نے عموماً سورت کے آغاز میں سب سے پہلے سورت کے مکی یا مدنی ہونے کی تعیین کی ہے، پھر اس کی آیتوں، لفظوں اور حرفوں کی تعداد بتائی ہے، پھر پہلے والی سورت سے اس کا معنوی ربط اور وجہ مناسبت بتائی ہے، وجہ مناسبت بیش تر مقامات پر خوب تفصیل اور وضاحت سے لکھی ہے، اس کے ضمن میں جگہ جگہ صوفیانہ نکات بھی ذکر کیے ہیں، اور اس کی شان نزول، وجہ تسمیہ بھی ذکر کی ہے۔ اس طرح ہر سورہ کے شروع میں اس سے تعلق رکھنے والے ضروری امور کا اس طرح تعارف کرایا ہے کہ وہ سب قارئین کے نزدیک واضح ہوجاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد ترجمے اور تفسیر کا آغاز فرمایا ہے۔

شاہ صاحب کی یہ قابل قدر تفسیر آپ کی وسعت علم اور قرآنی بصیرت کی واضح دلیل ہے۔

یہ تفسیر کلکتہ بنگال میں دو بار شائع ہوئی۔ پہلی بار 1248ھ/1831ء میں اور دوسری مرتبہ 1264ھ/1848ء میں۔ اس کے بعد 1300ھ/1884ء اور 1341ھ/1325ء میں اردو ترجمہ کی صورت میں طبع ہوئی۔

سورتوں کا جامع تعارف:

تفسیر فتح العزیز میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر سورہ کے شروع میں اس کا جامع تعارف کراتے ہیں، ذیل میں اس کے کچھ نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

جلد اول میں سورۂ بقرہ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سورۃ البقرۃ یعنی سورتے کہ دراں ذکر بقرہ است مدنی ست، دو صد و ہشتاد و شش آیت ست، و شش ہزار و بیست و یک کلمہ است، و بیست و پنج ہزار و پانصد حرف ست، و ایں سورہ دراز ترین سور تہاے قرآنی ست، و احکامِ شرعیہ کہ ازیں سورہ مستنبط می شوند آں قدر از ہیچ سورہ مستنبط نشدہ اند، اہل تفسیر نوشتہ اند کہ پان صد حکم شرعی دریں سورہ مندرج ست۔ و یک آیت مداینت کہ درویست کہ اطول آیات قرآنی ست، و بر بیست حکم شرعی مشتمل ست۔

و ہر چند دریں سورہ انواع امور عجیبہ و اصناف شیون غریبہ الٰہیہ مذکور و مسطور ست، اما در تسمیۂ او تخصیص باضافت بسوے بقرہ فرمودہ اند، و ایں سورہ را سورۂ بقرہ نامیدہ اند بدو وجہت: اوّل آں کہ بقرہ کہ ذکر او دریں سورہ آمدہ در ہیچ سورتے سواے ایں سورہ مذکور نشدہ، پس قصہ بقرہ خاصۂ ایں سورہ است، و در مقام امتیاز اضافت بہ خاصہ شے ضرور ست۔ دوم آں کہ قصہ بقرہ بر جمیع مہماتِ دین دلالت می کند، پس آں قصہ گویا خلاصۂ تمام قرآن ست"۔ (13)

[ترجمہ: سورۃ البقرہ یعنی وہ سورہ کہ جس میں بقرہ (گائے) کا ذکر ہے، یہ مدنی ہے، اس میں دو سو چھیاسی آیات، چھ ہزار اکیس کلمے اور پچیس ہزار پانچ سو حروف ہیں، یہ قرآن کریم کی سب سے بڑی سورہ ہے اور اس سورہ سے جتنے شرعی احکام نکلتے ہیں کسی اور سورہ سے نہیں نکلتے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ پانچ سو حکم شرعی اس سورہ میں مندرج ہیں، اس کی صرف ایک آیت آیتِ مداینت جو کہ قرآن کی سب سے بڑی آیت ہے، بیس حکم شرعی پر مشتمل ہے۔

ہر چند کہ اس سورہ میں گوناگوں عجیب امور اور طرح طرح کے الٰہی احوال غریبہ کا ذکر ہے، پھر بھی اس کے نام میں (ان میں سے کسی اور چیز کی طرف اضافت نہ کر کے) خاص بقرہ کی طرف اضافت کی اور اس کا نام "سورۂ بقرہ" رکھا۔ اس کی دو وجہیں ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ بقرہ کا ذکر صرف اسی سورہ میں ہے، کسی اور سورہ میں نہیں۔ تو بقرہ کا واقعہ صرف اسی سورہ کا خاصہ ہے۔ اور امتیاز کے مقام پر شے کے خاصہ کی طرف اضافت ضروری ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بقرہ کا واقعہ دین کے تمام اہم مقاصد کو بتاتا ہے تو گویا یہ واقعہ پورے قرآن کا خلاصہ ہے۔]

سورۂ والضحیٰ کا تعارف کچھ اس طرح کراتے ہیں:

"سورۂ والضحیٰ" مکی ست، یازدہ آیت، و چہل کلمہ، و صد و نود و دو حرف ست، ایں را "سورہ والضحیٰ" ازاں جہت نامیدہ اند کہ دریں سورہ اول قسم بضحیٰ کہ بمعنی چاشت گاہ و وقت ارتفاع آفتاب ست خوردہ اند، و آمدن ایں وقت در ہر روز بعد از تاریکی شب دلیل باز آمدن وحی ست مرّۃً بعدَ اخریٰ، و ہمیں ست مقصود ازیں سورہ؛ زیرا کہ سبب نزول آں چنیں مذکور ست کہ چوں آنحضرت ﷺ در مکہ معظمہ دعوت اسلام آشکارا فرمودند مردمِ مکہ نزد یہودیان مدینہ کس فرستادند کہ در میانِ ماشخصے چنیں پیدا شدہ دعواے نبوت می نماید، شما براے امتحان صدقِ دعواے او علامتے نشان بدہید کہ اہل کتاب اید، و از علامات انبیا کمال واقفیت دارید تا آں علامت او را امتحان کنیم۔ یہودیاں گفتند کہ او را سہ

چیز بپرسید: قصہ ذو القرنین، وقصہ اصحاب کہف، وحقیقت روح۔ کافراں کہ نزد آں حضرت ﷺ آمدند وازیں سہ چیز خبر پرسیدند۔ آں حضرت ﷺ جواب دادند کہ شما ازیں ہر سہ چیز فردا خبر خواہم داد، وکلمۂ ان شاء اللہ بر زبان آں حضرت ﷺ در آں وقت نرفت چند روز وحی منقطع شد۔ بعضے گویند: دہ روز، وبعضے پانزدہ روز، وبعضے ازیں زیادہ نیز گفتہ اند وتا چہل روز ایں مدت را رسانیدہ اند۔

آں حضرت ﷺ را ازیں سبب اندوہ بسیار دامن گیر شد، کافراں از راہ شماتت طعن وتشنیع شروع کردند، تا آنکہ ابولہب در ہر مجلس می گفت: "إنّ محمداً وَدَّعه ربُّه وقلاه": یعنی محمد را پروردگار او رخصت کرد وناخوش شد۔ از دوزن ابولہب بحکم فرط وقاحت وخست طنز وتعریض کہ در جبلتِ زناں می باشد بحضور آں حضرت ﷺ آمدہ گفت: "ما أرى شيطانك إلا قد تركك": یعنی گمان می برم کہ شیطانے کہ پیش تو می آمد ترا بگزاشتہ رفت۔ ازیں کلمات مُوحِشہ آں حضرت ﷺ را اندوہ افزود، وحضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا ایں سر را درمیان نہادند، درہمیں اثنا ایں سورہ نازل شد۔

ودر ابتداے آں قسم بآمد ورفت روز وشب وتعاقب نور وظلمت در جہاں یاد فرمودند تا اشارہ باشد بآنکہ کارِ جہاں بر یک نسق نیست، گاہے روز روشن تمام جہاں را نورانی می سازد، وگاہے شبِ تاریک بساط ظلمت می گسترانند، چناں چہ نور دائم نمی ماند ظلمت نیز دوام ندارد، وبعد از ظلمت نور وبعد از نور ظلمت می آید ہمچناں نزول وحی وانقطاع آں را باید فہمید واگر چند روز فترت شود دل تنگ نباید شد کہ در آں فترت نیز حکمتہا است چناں چہ در آمدن شب حکمتہا است۔"[14]

[ترجمہ: سورۂ والضحی مکی ہے، اس میں گیارہ آیتیں، چالیس کلمے اور ایک سو بانوے حروف ہیں، اور اس کو "سورۂ والضحی" اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے شروع میں سب سے پہلے ضحیٰ کے وقت کی قسم کھائی ہے، اور ضحیٰ کے معنی ہیں دن چڑھے کا وقت جو کہ آفتاب بلند ہونے کا وقت ہے، اور اس وقت کا روزانہ رات کی تاریکی کے بعد آنا وحی کے بار بار آنے کی دلیل ہے، اور اس سورہ کے نازل ہونے کا مقصود بھی یہی ہے؛ کیوں کہ اس کی شان نزول یہی بیان کی گئی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اسلام کی دعوت وتبلیغ شروع کی تو مکہ والوں نے مدینے کے یہودیوں کے پاس آدمی بھیجے کہ ہمارے درمیان ایک ایسا شخص پیدا ہوا ہے جو نبی ہونے کا دعوی کرتا ہے، تم لوگ چوں کہ اہل کتاب ہو اور نبیوں کی نشانیوں سے خوب واقف ہو اس لیے اس کے دعوے کی صداقت اور واقعیت جانچنے کے لیے کوئی نشانی بتاؤ تاکہ اس کے ذریعے ہم اسے جانچ سکیں۔ یہودیوں نے کہا: تم لوگ اس سے تین چیزیں پوچھو: (1) سکندر ذو القرنین کا واقعہ (2) اصحاب کہف کا قصہ (۳) روح کی حقیقت۔

کفارِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر ان تین چیزوں کے بارے میں سوال کیا۔ تو حضور نے جواب دیا کہ میں ان چیزوں کے بارے میں تمھیں کل بتاؤں گا، اور اس وقت ان شاء اللہ آپ کی زبان پر نہ آیا تو کوئی دن تک وحی نہیں آئی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں: دس دن تک، کچھ کہتے ہیں: پندرہ دن، اور کچھ کہتے ہیں: اس سے بھی زیادہ، یہاں تک کہ انھوں نے اس کی مدت چالیس دن تک پہنچائی۔

رسول اللہ ﷺ کو وحی نہ آنے کی وجہ سے بہت دکھ ہوا، کفار مکہ اس کی وجہ سے خوش ہو کر آپ کو طعنے دینے اور برا بھلا کہنے لگے، یہاں تک کہ ابولہب بر سرِ مجلس کہتا تھا کہ "محمد کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور ان سے ناراض ہو گیا۔" ابولہب کی دو بیویوں میں سے ایک نے اپنی زنانہ فطرت کے مطابق بڑی خسّت اور بے شرمی کے ساتھ طنز وتعریض کے طور پر آپ کی بارگاہ میں آکر کہا: "میں یہی سمجھتی ہوں کہ تیرا شیطان جو تیرے پاس آتا تھا وہ تجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔" ایسی وحشت ناک باتوں سے سرور کونین ﷺ کا غم واندوہ اور بڑھ گیا۔ اور آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کو اس راز سے باخبر کیا، اسی حالت میں یہ سورہ نازل ہوئی۔

اس سورہ کے ابتدا میں دنیا میں شب وروز کی آمد ورفت اور اندھیرے اور اجالے کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے کی قسم کا ذکر ہوا، تاکہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ دنیا کی چال ڈھال ہر وقت ایک حالت پر قائم نہیں رہتی، کبھی روز روشن سے سارا جہاں روشن ہو جاتا ہے، اور کبھی تاریک رات تاریکی کی بساط پھیلا دیتی ہے، جس طرح اجالا ہر وقت نہیں رہتا اسی طرح اندھیرا بھی ہمہ دم قائم نہیں رہتا۔ اندھیرے کے بعد اجالا آتا ہے، اور اجالے کے بعد اندھیرا آجاتا ہے۔ اسی طرح وحی کے آنے اور بند ہو جانے کو بھی سمجھنا چاہیے، اگر کچھ دن ناغہ ہو جائے تو اس سے تنگ دل نہیں ہو جانا چاہیے، کیوں کہ اس میں بھی اللہ تعالی کی حکمتیں ہیں جس طرح رات کے آنے میں اس کی حکمتیں ہیں۔"

کچھ آیتوں کی تفسیر کے نمونے:

اب ذیل میں تفسیر عزیزی سے کچھ آیتوں کی تفسیریں نمونے کے

طور پر پیش کی جا رہی ہیں، تاکہ اس سے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا تفسیری منہج اور علمی وفنی مقام واضح ہو اور قرآن وعلوم قرآن میں ان کی مہارت کے جلوے سامنے آئیں:

"وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝" کی تفسیر:

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یعنی در نماز ایستادہ شدہ ترتیل کن قرآن را ترتیل نیک۔ ترتیل در لغت روشن وواضح خواندن رامی گویند، ودر شرع چند چیز در قرآن خواندن ضرور است تاکمال ترتیل حاصل شود:

اول: تصحیح حروف کہ بجائے ضاد ظاو بجائے طا تانہ برآید۔

دوم: تحسین وقوف کہ وصل وقطع کلام بے محل نہ افتد و صورت کلام الٰہی تبدیل نیابد۔

سیوم: اشباع در حرکات یعنی ضمہ وفتحہ وکسرہ را باہم امتیاز دادن کہ بدیگرے مشتبہ نشود۔

چہارم: آواز را فی الجملہ بلند کردن، تا الفاظ قرآن از زبان بر سامعہ وارد شوند وازاں جا بر دل برسند، وکیفیتے از کیفیات مطلوبہ در دل پیدا کنند مثل شوق وذوق وخوف وبیم۔

پنجم: تحسین صوت یعنی آواز را خوش ساختن ودردمند کردن، تا تاثیر مطلوب زود حاصل شود، زیرا کہ چوں مضمونے باآواز خوش مقرون می شود بسبب التذاذ روح باں آواز جذب قوی زود اثر آں مضمون بروح می رسد۔ ولہذا اطبا گفتہ اند کہ گاہ رسانیدن کیفیت دوائے بقلب منظور افتد آں دوا را بادوائے خوش بوآمیختہ باید خورانید کہ قلب جذّاب طیوب است، ہمراہ آں خوش بو آں دوا را نیز بسرعت جذب خواہد کرد۔ وعلی ہذا القیاس چوں رسانیدن کیفیت دوائے بجگر منظور افتد آں دوا را بشیرینی آمیختہ باید داد، کہ جگر عاشق حلاوات است۔

ششم: ملاحظہ شدّ ومد در مواقع آں کہ بسبب رعایت شد ومد عظمت کلام وجلالت آں نمودار می گردد، ودر تاثیر امداد واعانت می کند۔

ہفتم: اگر در قرآن امر مخوف ترسانندہ بشنود توقف کند واز خدا پناہ گیرد، واگر امر مطلوب ومقصود بشنود توقف کند وآں دعا وآں ذکر را لا اقل یک بار بر زبان راند۔

وایں ہمہ ہفت چیز ہا در ترتیل برائے یک چیز اعتبار کردہ اند، کہ مقصود بالذات ہماں است یعنی تدبر وفہم، کہ بدون ایں ہفت چیز نہ خود را ونہ سامع را حاصل می شود، وتلاوت قرآن بدون آں مانند شعر خوانی بے فائدہ می گردد۔

ولہذا عبد اللہ بن مسعود ودیگر کبار صحابہ فرمودہ اند کہ "لا تنشروہ نشر الدقل ولا تھذّوہ کھذّ الشعر، قفوا عند عجائبہ، وحرکوا بہ القلوب، ولا یکن ھم أحدکم اٰخر السورۃ." یعنی میفشانید از زبان خود الفاظ قرآن را مانند افشاندن خرما در غلہ افشاں، وپے در پے خواندہ نروید قرآن را مانند خواندن شعر، توقف کنید نزدیک عجائب قرآن، وجنبش دہید بایں قرآن دلہا بے خود را، وفکر نکنید کہ آخر سورہ کے خواہد رسید تازود تمام کنم۔

واز ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوال کردہ بودند کہ آں حضرت ﷺ قرآن را چہ قسم می خواندند؟ فرمودند کہ حرکات را دراز می فرمودند۔ وانس بن مالک نیز از آں حضرت مدّ آواز را در قراءۃ قرآن نقل نمودہ۔ واز حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی ست کہ شبے از شبہا آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں آیت را در نماز تہجد تکرار می فرمودند تا آنکہ صبح شد، وآں آیت ایں است: "اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۱۱۸"

ولہذا گفتہ اند کہ اقل مراتب تدبر در قراءت قرآن آں ست کہ در ہر خطاب وہر قصہ خود را مخاطب داند واعلی مراتب تدبر آنست کہ متکلّم صفات وافعال او را دراں مشاہدہ نماید، واوسط آنست کہ ایں کلام را از حضرت حق تعالی بلا واسطہ بشنود، ودریں جا باید دانست کہ سلوک الی اللہ عبارت از طلب حضور او ست نزد خود، وچوں او تعالی از جسمیت ولوازم آں پاک ست حضور او بیکے از سہ طریق می تواند شد:

اول: تصور کہ آں را در عرف شرع تفکر گویند، ودر اصطلاح سلوک مراقبہ ونگرانی نامند۔ **دوم:** ذکر۔ **سیوم:** تلاوت کلام او تعالی"۔(15)

[ترجمہ: یعنی نماز میں کھڑے ہو کر قرآن کو خوب ترتیل سے پڑھو، لغت میں ترتیل واضح اور صاف پڑھنے کو کہتے ہی اور شریعت میں قرآن پڑھنے میں کئی چیزوں کی رعایت کرنے کو کہتے ہیں، تاکہ کمال ترتیل حاصل ہو جائے۔:

اوّل: حروف کو ان کے مخرج سے صحیح ادا کرنا تاکہ طا کی جگہ تا اور ضاد کی جگہ ظا نہ نکلے۔

دوم: اچھی طرح وقف کرنا، تاکہ وصل اور قطع کلام بے موقع نہ ہو، اور کلام الٰہی کی صورت بدل نہ جائے۔ (باقی ص:10)

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین/سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

آپ کے مسائل

-*-*-*-*-*** مفتیِ اشرفیہ **محمد نظام الدین رضوی** کے قلم سے ***-*-*-*-*-

"کریم" نام کا شرعی حکم

مفتی صاحب قبلہ مجھے امید ہے آپ خیروعافیت سے ہوں گے، آپ کی بارگاہ میں بہت ہی ادب و احترام کے ساتھ ایک سوال پیش ہے، برائے کرم قرآن و حدیث کی روشنی جواب دے کر شکریہ کا موقع فراہم کریں۔

(میرا سوال ہے) میرا نام محمد کریم نوری ہے جب بھی میں کسی عالم دین یا حافظ قرآن کے سامنے اپنا نام کا ذکر کرتا ہوں، یا مجھ سے وہ پوچھتے ہیں، تو نام سننے کے بعد فوراً یہی جواب دیتے ہیں، کہ آپ کا نام غلط ہے۔ کیوں کہ کریم اللہ پاک کے اسم مبارکہ میں سے ہے۔ اس لیے کریم نہیں بولنا چاہیے بلکہ عبدالکریم بولنا چاہیے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کی بات کہاں تک درست ہیں؟

میں نے اس سوال کو بہت سارے قابل علماے کرام سے پوچھا، انھوں نے بتایا: بول سکتے ہیں، تو میں بہت کنفیوز ہوں کہ میں کس کی بات مانوں اور کس کی بات نہ مانوں۔ برائے کرم مفتی صاحب قبلہ میری رہنمائی کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: آپ اپنا نام کریم کے بجاے عبدالکریم کرلیں اور پوچھنے والوں سے اپنا نام محمد عبدالکریم نوری بتائیں۔ یہ صحیح ہے کہ کریم اللہ عزوجل کے اسماے حسنیٰ سے ہے، اس لیے بندے کو کریم کے بجاے عبدالکریم کہنا چاہیے تاکہ اس کی عبدیت کا اظہار خوب خوب ہو۔ یہ الگ بات ہے محمد کریم نوری نام رکھنا ناجائز نہیں۔ کریم، اللہ عزوجل کے ایسے اسماے حسنیٰ سے ہے جس کا اطلاق اس کے ساتھ سبوح قدوس کی طرح خاص نہیں جیسے رؤوف، رحیم، رشید، علیم وغیرہ۔ حضور سید عالم ﷺ پر رؤوف و رحیم کا اطلاق خود قرآن مقدس میں آیا ہے۔ اور علی و رشید نام رکھنا مسلمانوں میں عام طور پر بلا انکار نکیر رائج ہے۔ یہی حال لفظ کریم کا ہے۔ عاشق رسول امام احمد رضا قدس سرہٗ نے بے شمار مقامات پر "نبی کریم" ﷺ کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس پر مسلمانوں کا تعامل عام بھی ہے۔ حدائق بخشش میں ہے:

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیے ہیں در بے بہا دیے ہیں

کریم ایسا ملا کہ جس کے کھلے ہیں ہاتھ اور بھرے خزانے
بتاؤ اے مفلسو! کہ پھر کیوں تمھارا دل اضطراب میں ہے

در اصل لفظ کریم کا اطلاق عبد اور معبود دونوں کے لیے ہوتا ہے مگر معنی کے لحاظ سے دونوں اطلاقات میں بہت فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کریم ہے تو اس کا کرم ذاتی ہے عطائی نہیں اور یہ ازلی بھی ہے اور ابدی بھی، اس کے برخلاف بندے کا کرم عطائی ہے ذاتی نہیں۔ نیز یہ حادث ہے ازلی نہیں۔ اللہ تعالیٰ حی ہے اور بندے پر بھی حی کا اطلاق ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حیات ذاتی، ازلی، ابدی ہے اور بندے کی حیات عطائی، حادث اور فانی ہے۔ اسی طرح اس نوع کے دوسرے الفاظ اور اسما کے درمیان بھی بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ دیکھنے میں لفظ ایک ہوتا ہے مگر حقیقت میں معنیٰ الگ الگ ہوتے ہیں۔ بندے پر اس کا اطلاق الگ معنیٰ کے لحاظ سے ہوتا ہے اور اللہ عزوجل پر اطلاق الگ معنیٰ کے لحاظ سے۔ اس فرق کے پیش نظر محمد کریم نام رکھنا غلط نہیں۔

لیکن جب لوگوں کو اس سے وحشت ہوتی ہے اور اچھا نہیں لگتا تو آپ اپنا نام محمد عبدالکریم نوری رکھ لیں اور کوئی پوچھے تو اسے یہی نام بتائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تشبہ سے متعلق حکم شرعی

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ حمّام، بیت الخلا، یا گھر میں مرد و عورت کا ایک دوسرے کی چپل استعمال کرنے کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح کرنے سے مَردوں کی عورتوں کے ساتھ، یا عورتوں کی مَردوں سے مشابہت لازم آتی ہے؟ اگر مشابہت لازم آتی ہے تو ان کروڑوں مسلمانوں کے بارے میں کیا

حکمِ شرعی ہے، جو اس میں مبتلا ہیں؟ کیا وہ سب فعلِ حرام کے مرتکب ٹھہرائے جائیں گے؟

الجواب: غسل خانے یا بیت الخلا میں استعمال کے لیے، جو لوگ مَردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ چپلوں کا اہتمام کر سکتے ہیں وہ کریں، اس میں کوئی مضائقہ اور حرج نہیں۔ جہاں تک مرد وعورت کا ایک ہی طرح چپل استعمال کرنے کا مسئلہ ہے، تو بعض چپلیں ایسی ہیں جو صرف عورتوں کے لیے خاص ہیں، جیسے شادی بیاہ یا خاص تقریبات میں پہنی جانے والی لیڈیز سینڈلز، وغیرہ، اسی طرح بعض ایسے جوتے جو خاص مرد حضرات ہی استعمال کرتے ہیں، جیسے مردانہ شوز یا مردانہ سینڈلز، وغیرہ۔ ایسی چپلیں یا سینڈلز مشترکہ طور پر استعمال نہ کریں۔

البتہ بیت الخلا میں یا گھریلو استعمال کے طور پر پہنے جانے والی چپلوں کی ایک خاص بناوٹ ہوتی ہے، جس میں مرد وعورت کی چپلیں ماسوائے معمولی فرق (تراش خراش) کے تقریباً ایک جیسی ہوتی ہیں، اور عام طور پر بیت الخلا میں ایسی ہی چپلیں استعمال کی جاتی ہیں۔ ایسی چپل پہننے کا مقصد صرف پاؤں یا گھر کو آلودگی سے بچانا ہوتا ہے، آلودگی سے بچنے بچانے کے سوا ان چپلوں کے استعمال کا کوئی اَور مقصد ہرگز نہیں ہوتا، مرد وعورت میں سے کسی کا بھی مقصد باہم مشابہت اختیار کرنا نہیں ہوتا۔ تو یہ بات متعیّن ہے کہ مرد یا عورت میں کسی کا ایسی چپل پہن کر غسل خانے یا بیت الخلا میں جانا، یا گھر میں استعمال کرنا، تشبہِ التزامی نہیں۔

جہاں تک تشبہِ لُزومی (یعنی خود بخود مشابہت ہو جانے) کی بات ہے، تو ایسی چپلیں پہننے میں تشبہِ لُزومی بھی نہیں پایا جاتا۔ ہاں البتہ اگر کسی مرد نے بیت الخلا میں جانے کے لیے کوئی ایسا جوتا یا چپل استعمال کیا، جو عورتوں کے لیے خاص ہے، جیسے وہ شادی بیاہ وغیرہ تقریبات میں پہنا کرتی ہیں، یا کسی عورت نے گھر میں کام کاج کرتے وقت، یا بیت الخلا جانے کے لیے کوئی ایسا جوتا یا چپل استعمال کی، جو مَردوں کے لیے خاص ہے، تو ایسی صورت میں تشبہِ لُزومی پایا جائے گا۔

علاوہ ازیں کروڑوں لوگوں کا اس امر میں مبتلا ہونا ہی اس بات پر واضح دلیل ہے، کہ یہاں شعاریت یا تشبہ کا کوئی تصور ہی نہیں، کیونکہ تشبہ وہاں پایا جاتا ہے جب کوئی چیز کسی قوم کے ساتھ خاص ہو، بیت الخلا یا گھر کے اندر مرد وعورت کا ایک جیسی چپل استعمال کرنے سے، اس کا استعمال مرد یا عورت میں سے کسی کے لیے خاص نہ رہا، لہٰذا بیت الخلا یا گھر کی حد تک ایسی چپل کے استعمال سے تشبہ نہیں پایا جائے گا۔ اور جہاں شعاریت کا تصور ہو گا وہاں بھی صحیح بات یہ ہے، کہ قلیل عفو ہوتا ہے مُعاف ہوتا ہے، عبادات ومُعاملات میں بہت جگہوں پر قلیل اپنے مُنافی کے ساتھ پائے جانے کے باوجود مُعاف ہوتا ہے۔

لہٰذا **اوّلاً**: صورتِ مسئولہ میں یہاں تشبہ ہے ہی نہیں کہ غسل خانہ وبیت الخلا کی چپلوں کا استعمال مرد یا عورت کسی کے ساتھ خاص نہیں تو نہ وہ کسی کی پہچان نہ اس کے استعمال میں کسی کے ساتھ تشبہ

ثانیاً: اگر بالفرض یہاں تشبہ مان بھی لیا جائے، تو وہ بہت قلیل وقت کے لیے ہے، اور قلیل مدارِ حکم نہیں ہوتا، یعنی اس کی بنیاد پر کوئی حکم جاری نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس مسئلہ میں لوگوں پر سختی نہ کی جائے۔ چونکہ اسلام دینِ فطرت ہے، اس لیے ہمیں حد سے زیادہ نرمی، یا بہت زیادہ سختی برتنے کے بجائے، میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنی ذات کی حد تک احتیاط برتنا چاہے تو الگ بات ہے، لیکن اس کی بنیاد پر لوگوں کو مرتکبِ حرام یا گنہگار نہ ٹھہرایا جائے؛ قال تعالیٰ: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [پ17، الحج: 78]، وقال تعالیٰ: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [پ2، البقرۃ: 185]،

امام اہلِ سنّت فرماتے ہیں: "اے عزیز! یہ دین - بحمد اللہ - آسانی وسماحت کے ساتھ آیا، جو اسے اس کے طَور پر لے گا اس کے لیے ہمیشہ رفق ونرمی ہے، اور جو تعمق وتشدد کو راہ دے گا، یہ دین اس کے لیے سخت ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ وہی تھک رہے گا، اور اپنی سخت گیری کی آپ ندامت اٹھائے گا"۔ ("فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب الأنجاس، رسالہ: الأحلی من السکر لطلبۃ سُکر رُوسر، 3/584)

نبی ﷺ فرماتے ہیں: «إنّ الدّينَ يُسرٌ، ولن يشادّ الدّينَ [أحدٌ] إلّا غلبَه، فسدِّدُوا وقارِبُوا، وأبشِرُوا!» ... الحديث. أخرجه البخاري، والنَّسائي(أي: في "السُنن" كتاب الإيمان وشرائعه، باب الدّين يُسر، ر: ٥٠٤٤، الجزء 8، ص-126) عن أبي هريرة. "دینِ اسلام آسان دین ہے، جو اس میں سختی کرے گا بالآخر دین ہی اُس پر غالب آئے گا۔ تو میانہ روی اختیار کرو! اور قریب قریب رہو! اور خوش خبری سناؤ (تاکہ لوگ دین سے قریب آئیں)!" ☆☆☆

غلامی، انانیت اور نادانی کے تین تاریخی کردار

پٹیل عبدالرحمٰن مصباحی

کہتے ہیں بڑے آدمی پر تنقید کرنے کے لیے مضبوط حافظہ، کشادہ ذہن، اعلیٰ تعلیم، وسیع مطالعہ اور کثیر تجربہ در کار ہے۔ مگر اہلیتِ نقد کے لیے طے کی گئیں یہ تمام ٹرمس اور کنڈیشنز تب لاگو ہوتی ہیں جب کہ بڑا آدمی اپنی بالغ نظری، اخلاص پروری، خیر خواہی اور بے لوث خدمت کی وجہ سے بڑا بنا ہو۔ ورنہ کیا تاریخ نے حماقت خیز، شریر طبع، بد اندیش، بے لگام اور سَنکِیوں کی بڑی تعداد کو زمانہ در زمانہ بڑا نہیں بنایا۔ اگر چہ ان کا دورانیہ کم یا زیادہ رہا ہو مگر بڑائی کی کرسی نے ان کے لیے جلوس کا اہتمام تو کیا۔

اُلٹی گنتی کی جائے تو ہٹلر سے نپولین، اتاترک سے حجّاج، رضا شاہ پہلوی سے مروان اور فرعون سے نمرود تک ایسے برسرِ کار بلکہ برسرِ پیکار ناکاروں کی لمبی فہرست تاریخ نے اپنے صفحہ ہستی پر بنا رکھی ہے۔ بد عقلوں کی تخت نشینی کی یہ سنتِ قدیمہ اس لیے بھی جاری رکھی گئی کہ ان کا عبرت ناک انجام دیکھ کر آئندہ کسی کم عقل، خود پسند اور انا پرست کے سر پر بڑا بننے کا بھوت سوار نہ ہو۔ ویسے بھی بد عقلی کوئی باغ تھوڑی ہے کہ مالی حفاظت پر کھڑا ہو، یہ تو ایک ریگزار ہے، کوئی بھی کم ظرف حیوانِ ناطق، کسی بھی وقت اس میں داخل ہو سکتا ہے۔

ایسے بڑے، قابلِ تنقید بلکہ لائقِ مذمت افراد کی لسٹ میں ماضی قریب کے تین ناموں کو جگہ نہ ملے تو، رسوائی کی یہ فہرست ادھوری رہ جاتی ہے۔ مذکورہ کیٹیگری کا ایک ایک بڑا، کسی بھی قوم کی کئی نسلوں کے لیے عذاب ثابت ہوا ہے۔ ذرا سوچیے! اس قوم کا کیا حشر ہوگا جس کو بیک وقت یا بتسلسل تین تین بڑوں نے احمقوں کی جنت کے خواب دکھائے ہوں۔ بلا شبہہ وہ قوم اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ہی جنت نشان معاشرے کو دوزخ کا نمونہ بنتے دیکھتی اور سسک کر رہ جاتی ہے۔ عبرت ناک بڑائی کا یہ خنّاس ترکی میں پیدا ہو کر بھارت میں پلا اور جوان ہو کر ایران پر سوار ہو گیا۔ کمال پاشا ترکی، مسٹر آزاد ہندی اور رضا شاہ پہلوی ایرانی؛ اوطان میں مختلف ہونے کے باوجود اوصاف میں اتنے مشترک ہیں کہ لگتا ہے تینوں کے دل میں وسوسے ڈالنے کا کام ایک ہی شیطان کے ذمہ تھا۔

اس سلسلے کی شروعات، قوم مسلم کو فکری و تہذیبی آزادی اور ماڈرنزم کی تمام فحاشیوں سے ہم کنار کر کے مغربی طرز کی ایک "مہذّب قوم" بنانے کا عزم رکھنے والے، اتاترک کمال پاشا سے کرتے ہیں۔ مصطفیٰ کا لاحقہ موصوف کی دین بیزار شخصیت کو زیب نہیں دیتا۔ ایک سر پھرا، ایک سنکی، ایک مغرب زدہ اور سب سے بڑھ کر ایک انا پرست لیڈر۔ کیا اتنی ساری خود فریبیاں پالنے کے بعد بھی سیدھی راہ کی توقع یا توفیق باقی رہتی ہے؟ توقع تو بہر حال نہیں رہتی، البتہ توفیق کا عطیہ کسی کو بھی مل سکتا ہے، مگر قسمت کی ستم ظریفی کہ اتاترک اس سے بھی گئے۔ اگر پاشا صاحب کو کوئی بتا تا کہ دنیوی سعادت اگر چہ برطانیہ کی غلامی میں ہے مگر اخروی سعادت بزورِ غلامی نیست، تو شاید تاریخ کچھ اور ہوتی۔ چند عثمانیوں کی نااہلی کی وجہ سے پوری خلافت کے خاتمے کا اعلان کر دینا کون سی عقل مندی ہے۔ پھر شقاوت کا یہ سلسلہ یہیں تھم جاتا تو شاید موصوف کی نیت خیر کو مان لیا جاتا کہ جناب ظالم نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے، مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور نکلا۔ اذان پر پابندی، حجاب کی ممانعت، تلاوتِ قرآن پر بندش، عربی زبان پر روک تھام، عربی رسم الخط کی ملک بدری اور نہ جانے کتنے ایسے فیصلے جنھوں نے امت مسلمہ کو خون کے آنسو رونے پر مجبور کیا۔ اتاترک اپنی ماڈرن اصلاحات کے نفاذ اور مزعومہ جمہوریت کی تاسیس میں اس قدر پر جوش تھے کہ انھیں خبر ہی نہ ہوئی کہ زندگی کی تھوڑی سی مدت کب ختم ہو گئی اور کب مؤرخ نے قلم کی تلوار سے ان کی غلامی کا لباس چیر کر انھیں وزیر اعظم سے ننگ دنیا و ننگ دین بنا دیا۔ اخروی شقاوت تو پہلے ہی بغل گیر تھی اب دنیوی ذلت بھی دامن گیر ہو گئی۔

abdurrahmanpatel786@gmail.com

رضا شاہ پہلوی کو ایران کا اتا ترک کہیے یا مسٹر آزاد کو انڈیا کا رضا شاہ پہلوی، بات ایک ہی ہے۔ خانقاہی زبان میں؛ ایرانی مرید، ہندی پیر اور ترکی میرِ سلسلہ۔ یہ طے کرنا مشکل ہے کہ پہلوی صاحب روس دشمنی میں امریکہ کے غلام بنے یا فکری کجی اور طبیعت کی آزاد روی انھیں اس طرف لے گئی۔ بہر حال رضا شاہ کی شاہانہ اور جلا وطنی؛ دونوں طرح کی زندگی امریکہ کے مرہون منت رہی۔ فارس کو نئے ایران میں بدلنے اور پرشیَن کی جگہ انگریزی تھوپنے کے فیصلے ہوتے تو واشنگٹن میں تھے مگر وطنی خمار اور پہلوی اقتدار باقی رکھنے کے لیے ان کا اعلان ایران میں ہوتا تھا، وہ بھی مقامی زبان میں۔ لسانیات کا ماہر بھی سر جوڑ کر بیٹھ جاتا ہوگا جب فارسی میں انگریزی سیکھنے کے اشتہار لگتے ہوں گے، بالکل ایسے ہی جیسے ہمارے یہاں گجراتی، بنگالی یا اردو زبان میں انگریزی بولنے، لکھنے، پڑھنے کے اشتہارات سے در و دیوار مزین رہتے ہیں۔ رضا شاہ کے بارے میں یہ فیصلہ بھی مشکل ہے کہ وہ شخص روس کے کمیونزم کا دشمن تھا یا اسے ایران کے مذہبی کلچر سے عداوت تھی، بیر جس سے بھی ہو بہر حال لگاؤ مغربی تہذیب اور پیار امریکہ سے ضرور تھا۔ تیل کے خزانے نے جیسے سعودی کو حرم میں رہتے ہوئے حرام کا عادی بنا دیا ایسے ہی رضا شاہ کو نجف کا شہنشاہ ہوتے ہوئے بھی یزیدیت سے ہمکنار کر دیا۔ ویسے بھی جب دولت قدم چومنے لگے تو مستی میں مذہب کا دامن چھوٹ جانے کی روایت؛ انسانی تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ تیل کے خزانے نے مست کیا، رضا شاہ نے ایران کو مذہب سے پاک کرنے کا پلان بنایا، عوام کا ردعمل سامنے آیا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے رضا شاہ کے اقتدار کا بت زمین بوس ہو کر بکھر گیا اور اب مؤرخین اس کے ریزوں سے اپنے تنقیدی محل کی تعمیر میں لگے ہوئے ہیں۔

مسٹر آزاد کو ہم نے ترتیب کے اعتبار سے اخیر میں اس لیے رکھا کہ وہ کامیابی کی ترتیب میں بھی اپنے دونوں ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے، ایک جمہوریہ ترکی کا وزیر اعظم بنا تو دوسرا ایران کا پندرہ سالہ بادشاہ، مگر مسٹر آزاد کا تو متاعِ کارواں بھی گیا اور لٹیروں نے ہم نوائی سے بھی منہ موڑ لیا۔ وہاں دونوں کو اپنی غلامی کے بدلے اگر چہ درمیانی دلال کی حیثیت ہی سے سہی مگر چند دنوں کی حکومت تو نصیب ہوئی، اِدھر مسٹر آزاد ہیں کہ اپنے مفاد کے لیے قوم کو زندہ در گور کر دینے کے بعد بھی انعام اتنا حقیر ملا کہ وزیر تعلیم بنا کر اردو-ہندی کا جھگڑا سلجھانے کی لایعنی ذمہ داری سر پر ڈال دی گئی۔ کانگریس اور برہمن کی غلامی کا پٹہ اتنا کمزور تھا کہ مسٹر آزاد اس پر اپنی ناکام لیڈری کو سولی بھی نہ دے سکے۔ اپنی لیڈری کے چکر میں آزاد جی نے آنے والی مسلم نسلوں کو وہ ناسور دیے کہ آج تک امت کا عقل مند طبقہ موصوف کے حق میں شش و پنج میں مبتلا ہے کہ آیا وہ شخص دانا دشمن تھا یا نادان دوست۔ مسٹر آزاد کو امت کی بیخ کنی میں کمال کی مہارت حاصل تھی۔ جب چاہا مسلمانانِ بر صغیر کو بے سر و سامانی کے عالم میں ہجرت کرا دی۔ جب دل میں آیا کشمیر سے کنیا کماری تک اپنی بیعت کا ڈھکوسلہ کھڑا کر دیا، جب مَن میں آیا گائے کی تقدیس کا وظیفہ شروع کر دیا، جب چاہا خلافت کے ٹھیکیدار بن کر کروڑوں کا چندہ بٹور لیا۔ اتنے تضادات کے باوجود آزاد جی کو کسی چیز میں استقلال حاصل تھا تو وہ تھی گاندھی کی پیروی اور دوسرا کام جو انھوں نے زندگی بھر بڑی پامردی سے کیا وہ تھا کانگریس کی غلامی۔ البتہ ان کی عقل مندی میں شبہہ نہیں کیا جا سکتا۔ زندگی کے ہر موڑ پر ایک نیا شگوفہ چھوڑ کر دو طرفہ واہ واہی حاصل کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ خلافت، ہجرت، ترک موالات اور امامت جیسی اصطلاحات سے مسلم لیڈر بھی بنے رہے، ان ہی الفاظ کو سیاست میں لا کر کانگریسیت کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا اور ان ہی اصطلاحوں کی وضاحت میں بُتِ ہندی کی محبت میں برہمن بننے کا جواز بھی فراہم کرتے رہے۔ ایسے تین طرفہ عروج کے بعد کسے خیال آسکتا تھا کہ مسٹر آزاد چو طرفہ زوال کا شکار ہو کر آخری عمر میں تیس صفحات کی ناکامی کی داستان "انڈیا ونس فریڈم" میں شامل کروا کر دنیا سے چل بسیں گے۔

ہم نے ماضی قریب کی مسلم تاریخ سے تین پیشہ ور غلاموں کا انتخاب کیا ہے جن کو لیڈری، پارٹی پرستی، وطن پرستی اور درمیانی دلالی کے لیے نوکری پر رکھا گیا تھا۔ آپ ناموں کی تبدیلی کے ساتھ ایسے بیسیوں کردار یہاں فٹ کر سکتے ہیں۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ زمانے کے ساتھ ساتھ نوکری نے بھی اپنا دائرہ وسیع کر لیا ہے۔ پہلے صرف مزدوری اور خدمت گزاری نوکری تھی اب لیڈری اور حکمرانی کو بھی نوکری کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ ویسے نوکری کا لفظ درمیانی عہد کی وضع ہے، آج کل اسے جاب (Job) کہتے ہیں اور پرانے زمانے میں اسے غلامی کہا کرتے تھے۔ ☆☆☆

شعاعیں

سیرتِ نبوی میں رحم وکرم کے تابندہ نقوش

مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک بڑی دولت اور نعمت سے نوازا ہے جو پورے دین کو جامع اور اس کی تبلیغ کا بہترین ذریعہ ہے۔ وہ نعمت اور دولت اخلاق ہے، ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اخلاق کے اعلی معیار پر تھے، چنانچہ آپ ﷺ کی راز دار زندگی اور آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، آپ ﷺ کے اخلاق کا نمونہ قرآن کریم ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے ہر قول وفعل سے ثابت کیا کہ آپ ﷺ دنیا میں اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لیے تشریف لائے، چنانچہ ارشاد ہے: ”انما بعثت لاتتم مکارم الاخلاق“ یعنی میں (رسول اللہ ﷺ) اخلاق حسنہ کی تکمیل کے واسطے بھیجا گیا ہوں۔ پس جس نے جس قدر آپ ﷺ کی تعلیمات سے فائدہ اٹھا کر اپنے اخلاق کو بہتر بنایا اسی قدر آپ کے دربار میں اس کو بلند مرتبہ ملا، صحیح بخاری کتاب الادب میں ہے، ”ان خیارکم احسن منکم اخلاقا“ یعنی تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

حضور ﷺ کی ساری زندگی اخلاقِ حسنہ سے عبارت تھی، قرآن کریم نے خود گواہی دی ”اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ“ یعنی بلاشبہ آپ ﷺ اخلاق کے بڑے مرتبہ پر فائز ہیں۔ حضور ﷺ لوگوں کو بھی ہمیشہ اچھے اخلاق کی تلقین کرتے آپ کے اس اندازِ تربیت کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ لوگوں کو عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

ترمذی شریف میں ایک جگہ نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا ہو چنانچہ عظمت اخلاق آخری نبی کریم ﷺ کا امتیاز ہے، سارے انبیا اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے دنیا میں آئے، مگر آپ ﷺ اس ہدایت کے آخری رسول ہیں، یا یوں سمجھیے کہ قرآنی نظریہ اخلاق ہے اور رسول ﷺ نمونہ اخلاق ہیں، جب نظریہ عمل میں ڈھلتا ہے تو کمی بیشی عموماً ہوجاتی ہے، مگر اخلاق کا نظریہ جتنا معقول اور مستحکم ہے اتنا ہی مستحکم اخلاق کا نمونہ بھی ہے، اسی لیے دنیا کے بیشتر مفکرین اور معلّمین کی نظر میں اخلاق کا درس خوشنما نظر آتا ہے، مگر جب ان کے قریب جائیے تو فکر وعمل کا تضاد اور گفتار وکردار کا اختلاف سامنے آتا ہے؛ لیکن رسول پاک ﷺ کا معاملہ یہ ہے کہ ان کی گفتار جتنی پاکیزہ ہے، کردار اتنا ہی پاکیزہ نظر آتا ہے، تعلیم جتنی روشن نظر آتی ہے، سیرت اتنی صیقل دکھائی دیتی ہے، کہیں پر کوئی جھول یا کسی قسم کا کھوٹ نہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ واقعی اس اعزاز کے مستحق تھے۔ کیوں کہ وہ کون سا خلق حسن ہے جو آپ کی ذات گرامی میں نہیں تھا۔ حیا جس کو تمام اخلاق میں سب سے افضل اور عظیم ترین خلق قرار دیا گیا ہے، آپ ﷺ کی عملی زندگی میں اس کے دخل کا یہ حال تھا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ایک باکرہ اور بے نکاح لڑکی اپنے پردے میں جس قدر حیا کرتی ہے اس سے کہیں زیادہ رسول اکرم ﷺ حیادار تھے۔

خوشبو ہے دوعالم میں تری اے گلِ چیدہ
کس منہ سے بیاں ہوں ترے اوصافِ حمیدہ

اخلاق کی ایک اعلیٰ صفت غصہ کو دبانا اور ضبط کرنا ہے جو برسوں کی ریاضت کے بعد کسی کو حاصل ہوتی ہے، اس کے فضائل بیان کردینا تو آسان ہے مگر اس پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے لیکن حضور ﷺ کے اندر یہ اعلی صفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اگر سیرت کا مطالعہ غور سے کیا جائے تو اس کی مثالیں قدم قدم پر ملیں گی، آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب مکہ سے ہجرت کرکے (اونٹ پر سوار ہوکر) مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہورہی تھیں، تو راستہ میں ہبار بن اسود نامی ایک شخص نے انھیں اتنی تیزی سی نیزہ مارا کہ وہ اونٹ سے گرپڑیں، حمل ساقط ہوگیا، اس صدمہ کی تاب نہ لاسکیں اور اللہ کو پیاری ہوگئیں، رسول اکرم ﷺ کو جب اس حادثہ کی خبر

tariqnoman222@gmail.com

ہوئی تو آپ بہت غضب ناک ہوئے اور آپ کو اس بات سے بہت صدمہ ہوا، جب بھی اس حادثہ کی یاد تازہ ہوجاتی تو آب دیدہ ہوجاتے لیکن جب ہبار بن اسود اسلام لے آئے اور معافی کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے انھیں معاف کردیا۔

اسی طرح وحشی بن حرب جن کی ذات سے اسلامی تاریخ کے تلخ ترین حادثہ کی یاد وابستہ ہے، کہ جنھوں نے رسول اکرم ﷺ کے محبوب و مشفق چچا کو قتل کیا تھا لیکن جب انھوں نے اسلام لاکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کا اسلام تسلیم فرمالیا، پھر آپ ﷺ نے ان سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کی کیفیت دریافت فرمائی جب انھوں نے واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ پر گریہ طاری ہو گیا اور فرمایا وحشی! تمھارا قصور معاف ہے لیکن تم میرے سامنے نہ آیا کرو، تمھیں دیکھ کر پیارے شہید چچا کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

اخلاقِ ایمانی اور انسانی کی ایک اعلیٰ صفت وفا بھی ہے جس کے اندر وفا نہ ہو وہ یقیناً انسانیت اور ایمان کے کمال سے محروم ہے قرآن میں بد عہدی کو یہود جیسی مردود قوم کی صفت بتایا گیا ہے اور ایفائے عہد کو مومنوں، متقیوں اور اللہ کے نبیوں کی صفت قرار دیا گیا ہے آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ میں ایک اخلاق یہ بھی ہے کہ آپ ہمیشہ وفائی کرتے تھے بے وفائی اور عہد شکنی نہیں کرتے تھے، حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے قریش نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں کسی کام سے بھیجا (یہ اس وقت کی بات ہے جب میں اسلام سے محروم تھا) جب میں نے آپ کی زیارت کی تو فوراً میرے دل میں اسلام کی محبت بیٹھ گئی، چنانچہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! خدا کی قسم اب میں یہاں سے واپس نہیں جاؤں گا مگر آپ ﷺ نے فرمایا نہ تو میں وعدہ خلافی کرتا ہوں اور نہ عہد شکنی کرتا ہوں اور نہ ہی غلاموں کو روکتا ہوں، فی الوقت تم واپس چلے جاؤ البتہ اگر تمھارے دل میں یہی جذبہ یہی ارمان یہی تمنا یہی خواہش رہی تو پھر واپس چلے آنا چنانچہ میں اس وقت تو چلا گیا لیکن بعد میں خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرلیا۔

ہوں لاکھوں سلام اس آقا پر بت لاکھوں جس نے توڑ دیے
دنیا کو دیا پیغام سکوں، طوفانوں کے رخ موڑ دیے
اس محسن انسانیت نے کیا کچھ نہ دیا انسانوں کو
دستور دیا منشور دیا کئی راہیں دیں کئی موڑ دیے

نبی کریم ﷺ نے اپنے اخلاق حسنہ کی دولت سے تڑپتی انسانیت کی غم خواری کی، اپنے ازلی وابدی دشمنوں کو پتھر کے جواب میں پھولوں کا گلدستہ پیش کیا۔ نفرت کے اندھیروں میں الفت و محبت کی شمع روشن کی، آپسی تفرقہ بازی اور دائمی بغض وعداوت کی بیخ کنی کرکے بھائی چارگی اور الفت ومحبت کے چشمے بہائے، یہی نہیں بلکہ ذرا دو قدم آگے بڑھ کر فتح مکہ کی تاریخ کے اوراق کو الٹ کر دیکھیے کہ آپ ﷺ مکہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوتے ہیں، صحابہ کرام کی دس ہزار جمعیت آپ کے ساتھ ہے، صحابہ اعلان کرتے ہیں "**الیوم یوم الملحمة**" آج بدلے کا دن ہے، آج جوش انتقام کو سرد کرنے کا دن ہے، آج شمشیر وسناں کا دن ہے، آج گذشتہ مظالم کے زخموں پر مرہم رکھنے کا دن ہے، آج ہم اپنے دشمنوں کے گوشت کے قیمے بنائیں گے، آج ہم ان کی کھوپڑیوں کو اپنی تلواروں پر اچھالیں گے، آج ہم شعلہ جوالہ بن کر خرمن کفار کو جلا کر بھسم کردیں گے اور گذشتہ مظالم کی بھڑکتی چنگاری کو ان کے لہو سے بجھائیں گے۔

لیکن تاریخ شاہد ہے اور زمین و آسمان گواہی دیتے ہیں کہ ایسا کچھ نہیں ہوا، رحمت نبوی جوش میں آئی اور زبان رسالت کی صدائیں لوگوں کے کانوں سے ٹکراتی ہیں

"**لا تثریب علیکم الیوم و اذھبوا انتم الطلقا**" کہ جاؤ تم سب آزاد ہو، تم لوگوں سے کسی قسم کا بدلہ نہیں لیا جائے گا، یہ تھا آپ کا اخلاق کریمانہ، یہ تھا آپ کے اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ، جس کی مثال سے دنیا قاصر ہے۔

نبی پاک ﷺ کی زندگی اخلاق حسنہ سے بھری پڑی ہے، جسے آج ہمیں اس نازک ترین حالات میں اپنانے کی ضرورت ہے، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اخلاق کی تعلیم دوسروں کو دیں اور خود بھی اس پر عمل پیرا ہوں اور نبی کریم ﷺ کے طرز عمل پر اپنی زندگی کو سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں کیوں کہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق حسنہ کو اپنانے کے بعد ہمارے لیے بھی اخلاقیت کی بلند اور دشوار گزار گھاٹی پر چڑھنا آسان ہوجائے گا۔

☆☆☆☆☆

اسلامی معاشرت

اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق

محمد اشفاق عالم نوری فیضی

عزیزان ملت اسلامیہ! پڑوسی اور ہمسایہ ایسے دو لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ایک دوسرے کے قریب رہ کر زندگی گزارتے ہیں، انسان ایک سماجی مخلوق ہے، اس کے لیے تن تنہا زندگی گزارنا ممکن نہیں ہے۔ایک دوسرے کے تعاون اور اشتراک عمل سے ہی وہ زندہ رہ سکتاہے ،اس دنیا میں ہر شخص ایک دوسرے کا محتاج ہے۔اگر ایک مرض میں مبتلا ہوجائے تو دوسرا اس کی عیادت کرے۔اگر ایک پر کوئی مصیبت آئے تو دوسرا اس کا شریک غم ہو اور اس طرح اخلاق و محبت کی ان ذمہ داریوں میں بندھ کر ایک ہوجائے اس سے باہمی تعلقات خوشگوار ہوں گے اور دین اسلام نے ہمیشہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر ابھارا ہے۔اللہ رب العزت قرآن مقدس میں ارشاد فرماتا ہے: ” اور اللہ کی بندگی کرو اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنی باندی سے بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا۔“(سورہ نساء 36)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں دو طرح کے پڑوسیوں کا ذکر ہے ایک ایسا پڑوسی جو رشتہ دار بھی ہو اور ایک ایسا پڑوسی جو پہلو میں رہتا ہو مگر اس کے ساتھ کوئی رشتہ نہ ہو۔
حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ پڑوسی کون ہے تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا "تمھارے گھر کے آگے پیچھے، دائیں بائیں کے چالیس چالیس گھر یہ سب تمھارے پڑوسی ہیں۔ پڑوسی چاہے جس مذہب سے تعلق رکھتا ہوں ایک اچھے پڑوسی کا حق ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کا خیال رکھے ،اور اس کے دکھ درد میں شریک ہو اس کو کسی طرح تکلیف نہ پہنچائے اس کی دکھ درد میں شریک ہو، اس کو کسی طرح تکلیف نہ پہنچائے اس کی عزت و آبرو کا ہمیشہ خیال رکھے اس لیے کہ پڑوسی کا خیال رکھنا حقوق العباد میں سے ہے۔حقوق اللہ میں سے نہیں ہے۔ حقوق اللہ عزوجل کا تعلق رب کائنات سے ہے کہ اگر وہ چاہے تو محض اپنے فضل و کرم سے معاف فرمادے، حقوق العباد کا تعلق بندہ سے ہے کہ جب تک بندہ معاف نہیں کرتا اللہ رب العزت بھی اسے معاف نہیں کرتا، لہذا بندہ کو ہر وقت ایسا کام کرنا چاہیے جو اس کے رب کو ناراض نہ کرے اور حقوق اللہ عزوجل اور حقوق العباد کی ادائگی میں کسی طرح کوتاہی نہ کرے۔

حضور اکرم ﷺ نے مختلف مواقع پر پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔ایک موقع پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:”خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو (بخاری شریف)ایک دوسرے مقام پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔(بخاری)ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہمیشہ یوں تاکید کرتے رہے کہ گمان ہوتا تھا وہ پڑوسی کو وارث بنادیں گے۔(بخاری)

پڑوسیوں کو ایذا دینے والا جہنمی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا، یارسول اللہ! فلاں عورت اپنی نماز، روزہ اور خیرات کی کثرت کے باعث مشہور ہے، مگر وہ اپنے پڑوسی کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے۔رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، وہ جہنم میں ہے۔اسی شخص نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں عورت کے متعلق کہتے ہیں کہ روزے کم رکھتی ہے، صدقات خیرات میں بھی کمی کرتی ہے اور نماز بھی کم پڑھتی ہے، مگر اپنے پڑوسیوں کو دکھ نہیں پہنچاتی۔آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ جنت میں ہے۔

پڑوسیوں میں محبت اور تعلقات کا بہترین ذریعہ ہدیوں اور تحفوں کا لین دین ہے۔حضور اکرم ﷺ خود اپنی زوجہ محترمہ کو اس کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔

اسی بنیاد پر ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا، یارسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں، اگر مجھے کوئی ہدیہ تحفہ بھیجنا ہو تو

نہالیہ جامع مسجد دکھن نارائن پور، کولکاتا-136 mdashfaquealam670@gmail.com

میں ان میں سے کس کے پاس بھیجوں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے گھر کا دروازے تمھارے گھر سے زیادہ قریب ہو۔

(بخاری شریف)

ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ اے ابوذر! جب شوربہ پکاؤ تو اس میں پانی بڑھادو اور اس سے اپنے پڑوسی کی خبر گیری کرتے رہو۔(مسلم شریف)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا ہو۔(مشکات شریف)

ایک پڑوسی کا حق یہ ہے کہ جب اس کا پڑوسی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے، اگر وہ مرجائے تو اس کی نماز جنازے میں شریک ہو اور اگر وہ قرض مانگے تو اسے قرض دے۔ اگر اسے کسی برائی میں دیکھے تو اس کو برائی سے روکے، اگر اس کو کوئی خوشی لاحق ہو تو اسے مبارکباد پیش کرے، اگر وہ کسی مصیبت میں ہو تو اس کی خیریت معلوم کرے، اور حتی المقدور مدد کرے اور اس کے مکان سے اونچا اپنا مکان نہ تعمیر کرے کہ ہوا رک جائے اور ایسا کھانا نہ پکائے جس کی خوشبو سے اس کی اشتہا کو ہوا ملے جب کہ وہ خود اس کی حیثیت نہ رکھتا ہو۔ الا یہ چیز کہ اسے وہ چیز ہدیہ میں دے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی: 1. امیر کی اطاعت کرو اگرچہ کوئی نکٹا غلام امیر بنادیا جائے۔ 2. جب کبھی شوربا بناؤ تو پانی خوب ڈال لیا کرو۔ پھر اپنے آس پاس کے حاجت مند ہمسایوں کو پہنچاؤ۔ 3. نماز اس کے مستحب وقت میں پڑھا کرو۔(تنبیہ الغافلین)

محبت بڑھانے کا طریقہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! پڑوسی کا بچہ آجائے تو اس کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ دو کہ اس سے محبت بڑھے گی۔ (دیلمی)

حضرت نافع بن عبد الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مرد مسلمان کے لیے دنیا میں یہ بات سعادت میں سے ہے کہ اس کا پڑوسی صالح (نیک) ہو ار مکان کشادہ ہو اور سواری اچھی ہو۔(حاکم)

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہم جملہ مسلمانوں کو ہمسایوں اور پڑوسیوں کے حقوق کی ادائگی کی توفیق بخشے۔ آمین یارب العالمین۔ ☆☆☆☆☆

(ص:47 کا بقیہ)

باب پنجم میں علامہ محمد احمد مصباحی کی کتابوں اور مضامین سے 65/ سے علمی، ادبی، لسانی، دعوتی، تعلیمی، تبلیغی اور تنظیمی فکری شہ پاروں کو آراستہ کیا گیا ہے، آغاز میں اجمالی طور پر مصنف نے پُر مغز تبصرہ بھی لکھ دیا ہے۔ 17/ صفحات پر مشتمل یہ باب اپنی کمیت کے لحاظ سے بظاہر مختصر سہی لیکن کیفیت اور اہمیت کے لحاظ سے یہ درجنوں کتب پر بھاری ہے۔ علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ کے قلم سے نکلے ہوئے یہ جواہر پارے ہمارے لیے مشعلِ راہ اور قابلِ عمل ہیں، یہ افکارِ عالیہ ایمانی زندگی کے مختلف رنگوں کو نمایاں کرتے ہیں، ان میں ایمان و عقیدے کی سلامتی کا گوہر بھی پوشیدہ ہے اور اصلاحِ احوال کا خاموش سمندر بھی انسانی اخلاقیات کی موجیں بکھیرتا ہے۔ ان پیغامات کی زیریں رَو میں پنہاں صدر العلماء کی ملتِ اسلامیہ کی ہمہ گیر ترقی کی خواہش اور انقلابِ امت کی سچی تڑپ ہمیں بیداری کا شعور دیتی ہے۔ توفیق احسن برکاتی یا کوئی فرزند اشرفیہ یا مصباحی صاحب کے خوانِ علمی کا کوئی خوشہ چیں چاہے تو اس طرح کے مزید فکری شہ پاروں کو جمع کر کے اس سلسلۂ خیر کو مزید آگے بڑھا سکتا ہے۔ بہ طورِ نمونہ ایک شہ پارہ نشانِ خاطر کریں:

"قدرت نے انسان میں بے شمار صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں لیکن جب ان کا استعمال ہو، پھر انھیں صیقل کر کے متحرک و فعال بنایا جائے تو وہ مفیدِ خاص و عام ہوتی ہیں ورنہ خفتہ رہ کر مردہ ہوجاتی ہیں۔" (ص546)

یہ کتاب حضرت صدر العلماء کی ہمہ گیر و ہمہ جہت خدمات پر مبنی ایک تاریخی دستاویز کہلانے کا حق اپنے نام محفوظ رکھتی نظر آتی ہے۔ فاضل مصنف نے بڑی عرق ریزی اور جاں فشانی سے اس معلومات افزا اور گراں قدر تحقیقی کتاب کی تصنیف کا فریضہ انجام دیا ہے، اور اسے بڑی صاف ستھری، رواں دواں، دل نشین اور شستہ علمی و ادبی زبان میں خوانِ مطالعہ پر سجادیا ہے۔ اس اہم ترین تحقیقی کتاب کی تصنیف پر راقم برادرِ گرامی محبِ مکرم مفتی توفیق احسن برکاتی مصباحی اور ناشر جماعت رضائے مصطفیٰ، برطانیہ کے اعوان و انصار کو صمیم قلب سے مبارک باد پیش کرتے ہوئے اس کتاب کے مطالعے کی پُرزور سفارش کرتا ہے۔

☆☆☆

بزمِ تصوف

ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کا دورِ اول

مولانا اختر حسین فیضی مصباحی

غیر منقسم ہندستان میں اگر مذہبی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مسلمانوں کی اصلاح وتربیت کا بیش تر کام مشہور چار سلاسل طریقت (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) کے ذریعے انجام پایا، ہندستان کی اسلامی تعمیر وتشکیل میں تمام سلاسل کا حصہ ہے، لیکن تاریخی شواہد اس بات کا بھی انکشاف کرتے ہیں کہ اس ملک میں اولاً سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کے قدم آئے، خواجہ محمد بن ابو احمد چشتی (م:409 یا 411) یہ پہلے چشتی بزرگ ہیں جنھوں نے اشارۂ غیبی پاکر ہندستان کا رخ کیا اور آپ کی دعاے مستجاب نے سلطان محمود غزنوی کی یاوری کی، بلکہ حضرت ملا عبد الرحمن جامی علیہ الرحمہ کا خیال ہے کہ آپ نے سلطان کی فوج میں شامل ہوکر مشرکوں سے جہاد بھی کیا، لکھتے ہیں:

”وقتے کہ سلطان محمود غزو سومنات رفتہ بود، خواجہ را در واقعہ نمودند کہ بہ مدد گاری وے می باید رفت، در سن ہفتاد سالگی با درویشے چند متوجہ شد، چوں آں جا رسید بہ نفس مبارک خود با مشرکان و عبدہ اصنام جہاد کرد۔ (نفحات الانس، ص:329)

جس وقت محمود غزنوی سومنات (ہندوستان) کی لڑائی کے لیے گیا ہوا تھا خواجہ (محمد بن ابو احمد چشتی) کو اشارہ غیبی ہوا کہ آپ سلطان کی مدد کے لیے جائیں، وہ ستر سال کی عمر میں چند درویشوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر بہ نفس نفیس مشرکوں اور بت پرستوں کے ساتھ جہاد کیا۔

خواجہ محمد بن ابو احمد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعے ہندوستان کے اندر دینی اور روحانی تعلیمات آئیں، لیکن ترویج واشاعت میں تیزی اس وقت آئی جب خواجہ معین الدین چشتی سجزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قدم یہاں آئے، آپ نے اجمیر کو اپنا مستقر بنایا جو ان دنوں پرتھوی راج چوہان کا دار الحکومت تھا، تاریخی بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شہاب الدین غوری کے حملوں کے دوران ہندوستان تشریف لا چکے تھے، غوری کے حملے ۵۷۱ھ سے ۶۰۲ھ تک جاری رہے۔

ادھر خواجہ صاحب اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ پرتھوی راج (راجا پتھورا) کا ظلم وستم زوروں پر تھا، اس کے ظلم سے عاجز آکر حضرت خواجہ نے فرمایا:

پتھورا را زندہ گرفتیم w دادیم بہ لشکر اسلام۔ (سیر الاولیا، ص:47)

ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے لشکر اسلام کے حوالے کیا۔

اس کے بعد سلطان محمد غوری، پتھورا پر حملہ آور ہوا، دونوں کے درمیان مقابلہ آرائی ہوئی اور پتھورا نے شکست کھائی۔

محمد غوری کی فتح کے بعد حضرت خواجہ اجمیری کو اطمینان اور سہولت کے ساتھ دین کی اشاعت اور تبلیغ کا موقع ملا، اس دوران آپ نے اپنی جاں گسل محنتوں اور پیہم کوششوں سے اسلام کی آب یاری کی اور توحید کا پرچم اتنا بلند کر دیا کہ ہندوستان کے ہر گوشے میں اس کی عظمت وشوکت محسوس کی جانے لگی، اس دور کے حالات اور حضرت خواجہ کی دعوتی، تبلیغی مساعی اور اس کے نتائج محمد بن مبارک علوی کرمانی کی زبانی سنیے:

مملکت ہندوستان تا حد بر آمدن آفتاب ہمہ دیار کفر وکافری وبت پرستی بود، ومتمردان ہند ہر یکے دعواے ”انا ربکم الاعلیٰ“ می کردند وخداے راجل وعلا شریک می گفتند وسنگ وکلوخ ودار ودرخت وستور وگاو وسرگین آں را سجدہ می کردند وبظلمت کفر قفل دل ایشاں مظلم ومحکم بود۔

ہمہ غافل از حکم دین وشریعت
ہمہ بے خبر از خدا وپیمبر
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجار قبلہ
نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر

بہ وصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقیں کہ بہ حقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار بنور اسلام روشن ومنور گشت۔

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

از تیغ او بجائے صلیب وکلیسا
در دار کفر مسجد ومحراب منبر است
آں جا کہ بود نعرہ وفریاد مشرکاں
اکنوں خروش نعرۂ اللہ اکبر است

(سیر الاولیا، ص:47)

ملک ہندوستان میں مشرق کے آخری کنارے تک کفر وشرک اور بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ ہندوستان کے سرکش اور متکبرین خدائی کا دعوی کر رہے تھے اور دوسروں کو اللہ جل وعلا کا شریک ٹھہراتے پتھر، ڈھیلا، لکڑی، درخت جانور، گائے اور اس کے گوبر تک کو سجدہ کرتے، کفر کی ظلمت کی وجہ سے ان کے دل پر تالے لگے تھے۔ سب دین وشریعت کے حکم سے غافل اور اللہ ورسول سے بے خبر تھے، نہ کسی نے قبلہ کی سمت دیکھی اور نہ اللہ اکبر کی گونج سنی۔ آفتاب اہل یقین خواجہ معین الدین چشتی جو حقیقت میں معین دین تھے، ان کے مبارک قدم آنے کی برکت سے اس ملک کی تاریکی اسلام کی روشنی میں بدل گئی۔ ان کی سعی پیہم سے اس کفر وشرک کی آماج گاہ میں صلیب وکلیسا کی جگہ مسجد ومحراب اور منبر نظر آنے لگے اور جہاں مشرکین کی جے جے کار بلند ہوتی تھی اب وہاں نعرۂ تکبیر کا غلغلہ ہے۔

پرتھوی راج کی شکست کے بعد اجمیر کی سیاسی ساکھ کمزور پڑ گئی اور دہلی کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی، اس تبدیلی کا حضرت خواجہ پر کوئی اثر نہ پڑا، حسب سابق وہ اجمیر میں رہ کر دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے، ہاں! اتنا ضرور کیا کہ اپنے ایک چہیتے مرید اور خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو دہلی بھیج کر سلسلے کی نشر واشاعت پر تعینات کر دیا، حضرت خواجہ قطب نے شمالی ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو خوب فروغ دیا۔

آپ 612ھ/1214ء میں دہلی تشریف لائے، اس وقت دہلی کے پایہ تخت پر سلطان شمس الدین التمش کا جلوہ تھا، یہ وہ دور تھا جب کہ دہلی کی تعمیر نوزوروں پر تھی، منگولوں کے طوفان شر وفساد کی وجہ سے وسط ایشیا سے علما، مشائخ، ادبا اور شعرا دہلی کا رخ کر رہے تھے، اس طور پر دہلی فضل وکمال اور علم وآگہی کا ایک پرکشش شہر بن گیا، اس حسین شہر علم وادب میں رشد وہدایت کی بساط بچھا کر حضرت خواجہ قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ چشتیہ کو عروج وارتقا کی منزلیں عطا کیں۔

التمش جو علما ومشائخ کا بڑا عقیدت مند تھا، اس کی نگاہ جوہر شناس نے پہچاننے میں دیر نہ کی، ان پر گرویدہ ہو گیا، برابر خدمت میں حاضر ہوتا اور فیض یابی کے بہانے تلاش کرتا، ایک دن وہ بھی آیا کہ حضرت نے سلطان کو ارادت وخلافت سے سرفراز کیا، لیکن حضرت کا حال یہ تھا کہ وہ حکومت اور ارباب حکومت سے قطع تعلق رکھ کر خلق خدا کے دلوں پر حکومت کرتے، چوں کہ ماحول سازگار تھا اس لیے آپ نے بڑی فراخی کے ساتھ غیروں تک اسلام کی دعوت پہنچائی اور اپنوں کو گم رہی سے باز رہنے کے راستے بتائے، ادھر التمش کی عقیدت یہاں تک بڑھی کہ اس نے حوض شمسی کی تعمیر میں حضرت سے خاص مشورے لیے اور ان کی یادگار کے طور پر ''قطب مینار'' کے نام سے ایک پرشکوہ مینار کی تعمیر کی۔

حضرت نے ۶۳۴ھ/۱۲۳۵ء میں انتقال فرمایا، ان کے بعد جانشینی حضرت بابا شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو تفویض ہوئی، آپ کے آباد واجداد کا شمار کابل کے معزز ترین لوگوں میں ہوتا تھا، چنگیزی حملے کے دوران وہاں سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے، ان کے دادا ملتان کے قریب ''کھوتوال'' میں منصب قضا پر فائز تھے وہیں 569ھ میں بابا فرید کی پیدائش ہوئی کھوتوال میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس وقت کے مرکز علم وادب ملتان جا کر اعلی تعلیم حاصل کی اور قندھار میں تکمیل فرمائی، اس کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خدمت میں دہلی حاضر ہوئے اور شیخ سے سلوک ومعرفت کی تعلیم حاصل کی تکمیل کے بعد خلافت سے نوازے گئے اور شیخ کی اجازت سے ہانسی روانہ ہو گئے اور وہیں اقامت اختیار کی، پھر ہانسی کو اپنے خلیفہ جمال الدین ہانسویں کے حوالے کیا اور خود قصبہ اجودھن (پاک پٹن) کے لیے روانہ ہو گئے وہیں مسجد کے ایک گوشے میں ذکر الہی میں مشغول رہتے، آپ نے عبادت وریاضت میں جو محنت شاقہ کی وہ آپ ہی کا حصہ تھا، مسلسل روزہ رکھنے کی وجہ سے جسم لاغر ہو چکا تھا اخیر عمر میں آپ نے ایک مرتبہ فرمایا:

چالیس سال تک اللہ تعالی نے جو کچھ فرمایا بندہ مسعود نے وہی کیا، اب چند سالوں سے مسعود کے دل میں جو خطرہ پیدا ہوتا ہے یا اسے مانگتا ہے، پاتا ہے۔ (خیر المجالس)

حضرت کی مقبولیت اس قدر ہوئی کہ عقیدت مند ہر وقت

آپ کے ارد گرد جمع رہتے اور آپ ان کی صلاحیت کے مطابق انھیں پندونصائح سے نوازتے، مخلوق کے ساتھ ہم دردی اور بروقت ان کی اصلاح وتربیت نے سلسلہ چشتیہ کو خوب عروج بخشا نتیجۃً چشتی پیغام ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا۔

حضرت بابا فرید نے اپنی زندگی میں بڑے انقلابات دیکھے، 584ھ سے 679ھ تک کا زمانہ بر صغیر کا وہ زمانہ گزرا ہے جس میں غزنویوں کا زوال، غوریوں کا عروج اور شمالی ہند میں ترکوں کا تسلط رونما ہوا یہ سب انھوں نے مشاہدہ کیا اور انھوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ ہندوستان میں منگولوں کی دراندازی سے لوگ سہمے سہمے نظر آرہے ہیں، اس سیاسی رسہ کشی اور افراتفری کے ماحول میں آپ کی زاہدانہ زندگی روحانی تاریخ کا ایک اہم اور قابل قدر باب رقم کر رہی تھی، سلاطین وقت کی فتوحات تو ماضی کے قصے بن کر رہ گئیں، لیکن لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنے والے مرد درویش کی دعوت توحید اور پیغام محبت زندہ oy اور قیامت تک ان کی زندگی سے روح ایمانی کو حیات تازہ ملتی رہے گی۔

جب آپ کی عبادت وریاضت کا شہرہ ہوا اور گروہ در گروہ لوگ آپ کی خدمت میں آنے لگے اس وقت آپ نے دعوت وارشاد کی ایسی قندیل روشن کی جس کی روشنی نے پنجاب کو حق کا اجالا عطا کیا، یہ وہ وقت تھا جب کہ دہلی کے تخت پر ناصر الدین محمود کا قبضہ تھا، سلطان نیک طبیعت اور درویش صفت انسان تھا اور زندگی کے اخیر دور میں سلطان غیاث الدین بلبن کے ہاتھ حکومت دہلی کی باگ ڈور آئی، یہ بھی درویشوں کا بڑا عقیدت مند تھا اس کے دور میں بھی اسلامی تحریکوں کو خوب فروغ ملا۔

سلسلہ چشتیہ کو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے دہلی میں متعارف کرایا لیکن بابا فرید کی وجہ سے علاقہ پنجاب میں اس سلسلے کو استحکام ملا اور حقیقت تو یہ ہے کہ بابا فرید کے دو خلفا سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا اور شیخ المشائخ خواجہ علاء الدین علی احمد صابر کے ذریعے اس سلسلے کی ہندوستان میں بڑے پیمانے پر نشر واشاعت ہوئی، اس طرح سلسلہ چشتیہ کی دو بڑی شاخیں نظامیہ اور صابریہ وجود میں آئیں۔

سلسلہ نظامیہ:

حضرت نظام الدین اولیا کے زمانے میں سلسلہ چشتیہ کو غیر معمولی عروج ملا، انھوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں خانقاہیں قائم کیں جس کی وجہ سے ان کی طرف عام رجوع ہونے لگا اور تربیت واصلاح کے کام میں تیزی آگئی اور خود حضرت کی خانقاہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا امیر، غریب، شہری، دیہاتی اور ہر عام وخاص جب چاہتا ان کی خدمت میں حاضر ہوجاتا اور اپنی دینی، روحانی پیاس بجھاتا، آپ نے بیعت کا عام دروازہ کھول دیا تھا اور جسے لائق سمجھتے اسے خلافت سے بھی نوازتے، آپ کی جہد مسلسل سے ہندوستان کے گوشے گوشے میں سلسلہ چشتیہ کے اثرات پہنچ گئے، محمد غوثی شطاری گلزار ابرار میں لکھتے ہیں:

ان ایام میں زمین ہند کو عجیب زمانہ حاصل تھا، کیوں کہ آپ کی بارگاہ خلافت سے وقتاً فوقتاً جو نئے خلیفہ روانہ ہوتے تھے، ان کی فیض پاشی سے ہند کا ہر مکان اور ہر قطعہ زمین ہدایت آباد تھا، ایک روایت ہے کہ آپ نے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مرتبے اور بڑی کرامتوں والے سات سو خلفا ایسے روانہ کیے تھے کہ ہر شخص کے سینے سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع کرتا تھا۔ (گلزار ابرار، اردو، ص:84,85)

محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا 636ھ 1238ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے اور 725ھ/1325ء میں دہلی میں انتقال فرمایا۔ آپ کو شیخ کبیر بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ سے ارادت وخلافت اور سلسلۂ چشتیہ کی جانشینی حاصل تھی، جب آپ ان کے پاس سے دعوت وارشاد پر مامور کیے گئے تو یہ سلطان غیاث الدین بلبن کا دور حکومت تھا، اس وقت حضرت محبوب الٰہی کو کوئی شہرت حاصل نہ تھی، اس لیے سلطان کی ان کی طرف کوئی توجہ نہ ہوئی اس کے بعد یکے بعد دیگرے جلال الدین خلجی، علاء الدین خلجی، قطب الدین مبارک شاہ اور غیاث الدین تغلق دہلی کے تخت پر بیٹھے، جلال الدین خلجی کے زمانے میں آپ کی شہرو مقبولیت آسمان چھو رہی تھی اور اخیر عمر تک اس میں کمی نہیں آئی، آخری ادوار میں بادشاہ، امرا اور مصاحبین کی طرف ایسا ناخوش گوار ماحول پیدا کر دیا گیا جو یقیناً خانقاہی انداز تربیت اور طریقہ اصلاح پر بند لگانے کے لیے کافی تھا، لیکن حضرت کی جرات مردانہ نے اس میں کمی نہیں آنے دی بلکہ اور تیزی پیدا کر دی۔

جب آپ کی عمر اسی سال سے تجاوز کر گئی، قویٰ کمزور پڑ گئے، بیماریوں نے زور دکھانا شروع کیا تو آپ نے متعدد حضرات کو خلافتیں عطا کیں اور اجازت نامے دیے اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

تجزیہ نگاروں نے یہ بات بڑے وثوق سے لکھی ہے کہ

ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد خواجہ معین الدین چشتی نے رکھی خواجہ فریدالدین گنج شکر نے اسے منظم کیا اور محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا نے معراج ترقی پر پہنچایا۔

حضرت محبوب الٰہی کے بعد سلسلۂ چشتیہ کے مرکزی نظام کی باگ ڈور حضرت چراغ دہلی کے ہاتھ میں آئی، انھوں نے اپنے سلسلے کا کام بڑے ہی نامساعد حالات میں سنبھالا، اس وقت کے فرماں روا محمد بن تغلق نے آپ پر بہت ساری پابندیاں لگا رکھی تھیں، ساتھ ہی ان کے ساتھ ظالمانہ سلوک بھی روا رکھا گیا، لیکن آپ مضبوطی کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہے اور بڑی پامردی کے ساتھ سلسلے کا کام انجام دیتے رہے۔

آپ نے حضرت امیر خسرو کے ذریعے مرشد سے یہ گزارش کی تھی کہ انھیں مخلوق سے علاحدہ رہ کر عبادت وریاضت کی اجازت دی جائے تو محبوب الٰہی نے فرمایا:

اورا بگو ترا در میان خلق می باید بود و جفاے و قفاے خلق می باید کشید و مکافات آں بہ بذل و ایثار و عطامی باید کرد۔ (سیر الاولیا، ص:237)

ان سے کہہ دو کہ تمھیں مخلوق کے درمیان رہ کر لوگوں کا ظلم وستم برداشت کرنا چاہیے اور اس کے بدلے جود وسخا اور ایثار کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

یہی وجہ ہے کہ سختیاں جھیلتے رہے، باد تند کے جھونکوں سے مقابلہ کرتے رہے اور زندگی بھر مہر ومحبت کی سوغات بانٹتے رہے۔

آپ نے اودھ (فیض آباد) کی سرزمین پر آنکھ کھولی، چوں کہ والد گرامی شہر کے ایک معزز اور متمول شخص تھے اس لیے آپ کی تربیت بڑے ناز ونعم سے ہوئی، والد کے انتقال کے بعد والدہ ماجدہ نے تعلیم وتربیت کا معقول انتظام کیا، 43 سال کی عمر میں اودھ سے دہلی چلے گئے اور حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا کی خدمت میں رہنے لگے، ریاضت ومجاہدہ کے بعد معرفت کے مدارج طے کرائے پھر بیعت وخلافت سے نوازا، بعد میں اپنی جانشینی سے بھی سرفراز کیا، آپ کی مجلس، سلطان المشائخ کی مجلس کی یاد تازہ کر دیتی تھی۔

امیر خورد لکھتے ہیں: مجاہد و مشغولی، ظاہر وباطن ایں بزرگ چنداں است کہ قلم از رقم آں عاجز آید، کسانے کہ بدولت قدم بوسی ایں بزرگ رسیدہ انداز سیماے او کہ صورت تقوی بود احساس کردہ اند در اخیر عمر ایں بزرگ کہ کار او بکمال رسیدہ بود و ذات مبارک او روح مجرد گشتہ بوے کہ از مجلس سلطان المشائخ می آمد بوے از مجلس شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بمشام جان کاتب حروف رسیدہ است۔

اور فرماتے ہیں: اہل ولایت کہ مجلس سلطان المشائخ دیدہ اند بر سر آں معنی کہ مخ معنی است رسیدہ بعدہ مجلس شیخ نصیر الدین محمود را دریافتہ بر سر آں حرف شدہ باشند، ایں ضعیف گوید

مرا ز مجلس تو بوے یار میں آید
خوشم ز بوے تو کز سوے یار می آید
ہزار پیرہن دل چوں گل شود پارہ
ازیں نسیم کہ از کوے یار می آید

(سیر الاولیا، ص: 241، مطبع محب ہند، دہلی)

ترجمہ: آپ کے ظاہری اور باطنی مجاہدات ومشغولیات کا یہ حال تھا کہ قلم ان کے لکھنے سے عاجز ہے، جنھیں آپ کی قدم بوسی کا شرف ملا ہے وہ آپ کی تقوی شعار ذات کو پیشانی ہی سے محسوس کر لیتے ہیں اور آپ کی اخیر عمر میں جب آپ اوج کمال کو پہنچ چکے تھے اور آپ کی مبارک ذات روح مجرد بن چکی تھی اس راقم الحروف (امیر خسرو) کو شیخ نصیر الدین محمود کی مجلس سے وہی خوش بو محسوس ہوتی جو حضرت سلطان المشائخ کی مجلس سے آتی۔

اور فرماتے ہیں: ”جن اللہ والوں نے حضرت سلطان المشائخ کی مجلس دیکھی اور اس کی اصل حقیقت کا ادراک کیا، پھر شیخ نصیر الدین محمود کی مجلس میں شرکت کی تو وہ ضرور یہ محسوس کریں گے، راقم الحروف عرض پرداز ہے:

مجھے تیری مجلس سے دوست کی خوش بو آتی ہے اور میں تیری خوش بو سے شاداں ہوں اس لیے کہ وہ دوست کی طرف سے آ رہی ہے۔

دل کے ہزاروں ہزار پیرہن اس باد نسیم سے پھول کی طرح پارہ پارہ ہو جاتے ہیں جو کوے یار کی طرف سے آتی ہے۔

مسند ارشاد پر جلوہ بار ہونے کے بعد آپ نے مشائخ چشت کی روحانی عظمتوں کی پاسبانی کی اور بڑے پیمانے پر تربیت واصلاح کے کام انجام دیے۔

یہ آفتاب جود وسخا 757ھ/1356ء میں دہلی کے اندر غروب ہو گیا، یہاں پر آ کر ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کا دور اول ختم ہوا۔

تاریخ مشائخ چشت میں ہے:

چشتیہ سلسلہ کی تاریخ کا وہ دور جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے شروع ہوا تھا، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی پر ختم ہو گیا۔ اس دور کی خصوصیات یہ تھیں:

(۱) چشتیہ سلسلہ کا ایک مرکزی نظام تھا، اسی مرکز سے تمام متعلقین سلسلہ کی روحانی اور اخلاقی زندگی کی اصلاح و تربیت ہوئی تھی۔ خواجہ صاحب، قطب صاحب، بابا فرید اور حضرت محبوب الٰہی کے خلفا اور مریدین ملک کے دور دراز علاقوں میں کام کرتے تھے، لیکن ان کی نگاہیں ہمیشہ اجمیر، دہلی یا اجودھن کی طرف لگی رہتی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک مرکزی نظام کے ماتحت تصور کرتے تھے۔

(۲) امرا و سلاطین سے کسی کا تعلق رکھنا روحانی سعادت کے منافی سمجھا جاتا تھا۔ "درویش دیہ دار" ہونا اخلاق اور مذہب دونوں کی توہین تھی۔ گزر اوقات کے لیے یا تو افتادہ زمین کا کوئی حصہ کاشت کرنے لگتے، یا بغیر مانگے جو کوئی چیز مل جاتی اس پر قناعت کر لیتے۔ حکومت کی ملازمت کی طرف اگر کسی خلیفہ کا ذرا بھی رجحان پاتے تو فوراً خلافت نامہ واپس لے لیتے۔

حضرت چراغ دہلوی کے بعد سلسلہ کے یہ دو بنیادی اصول ماضی کی داستان بن کر رہ گئے۔ مرکزی نظام تباہ و برباد ہو گیا۔ مرکز سے علاحدہ صوبوں میں خانقاہیں قائم ہو گئیں۔

سلسلہ کے بہت سے نو عمر افراد نے حکومت وقت سے تعلق پیدا کر لیا اور اپنا بیش تر وقت اسی میں صرف کرنے لگے۔ بابا فرید نے برسوں پہلے تنبیہ کی تھی:

"لو أردتم بلوغ درجة الكبار فعليكم بعدم الالتفات إلى أبناء الملوك" (سیر الاولیا، ص:75)

اگر تم اپنے روحانی مراتب میں بلندی چاہو تو سلاطین کی اولاد کی طرف توجہ نہ کرنا۔

ان نصیحتوں کو فراموش کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلسلہ کے ستون ہل گئے اور اس کے نظام میں ابتری پیدا ہو گئی۔

حضرت چراغ دہلی کی دور بین نگاہ نے مستقبل کے حالات کا مکمل طور پر جائزہ لے لیا تھا اور غالباً اسی بنا پر انھوں نے کسی کو اپنا جانشین بنانا مناسب نہیں سمجھا۔ شیخ زین الدین نے ایک دن عرض کیا:

"مخدوم! بیش تر مریدان شما صاحب حال و اہل کمال اند۔ ازیں جملہ یکے را اشارت شود کہ بجائے شما نشستہ باشد کہ ایں سلسلہ بہ کلی گسستہ نگردد"۔ (خیر المجالس، ص:287)

مخدوم! آپ کے بہت سے مرید صاحبِ حال اور اہل کمال ہیں، ان میں سے کسی ایک کے لیے اشارہ ہو جائے تو آپ کی جگہ پر بیٹھ جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلسلہ بالکل ہی ختم ہو جائے۔

تو فرمایا: جن درویشوں کو تم اہل سمجھتے ہو ان کے نام لکھ لاؤ۔ مولانا زین الدین نے تین فہرستیں تیار کیں، اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ۔ شیخ نے مطالعہ کے بعد فرمایا:

"شیخ زین الدین! ایشاں را بگو کہ غم ایماں خود بخورند چہ جائے آں کہ بار دیگری بر دارند۔" (سیر العارفین، ص:97)

"شیخ زین الدین! ان لوگوں سے کہہ دو کہ اپنے ہی ایمان کا فکر کریں، دوسروں کا بوجھ سر پر لینے سے کیا حاصل۔

حضرت چراغ دہلوی نے محسوس کر لیا تھا کہ ان حالات گرد و پیش میں کوئی شخص ایک کل ہند نظام کا بار گراں نہ سنبھال سکے گا۔ چناں چہ انھوں نے وصیت فرمائی کہ مشائخ سلسلہ کے تبرکات ان کے ساتھ دفن کر دیے جائیں۔ جب زمین نے اس آفتاب علم و ارشاد کو آغوش میں لیا تو چشتیہ سلسلہ کا ایک تابناک دور ہمیشہ کے لیے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ (تاریخ مشائخ چشت، ص: 241 تا 243۔ از پروفیسر خلیق احمد نظامی، دار الاشاعت، کراچی)

حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا، لیکن سلسلہ نظامیہ آپ کے خلفا اور حضرت محبوب الٰہی کے دیگر خلفا کے ذریعے خوب فروغ پایا۔

سلسلہ صابریہ:

سلسلہ چشتیہ کی دوسری شاخ سلسلہ صابریہ ہے، اس کی ابتدائی تاریخ پردہ خفا میں ہے، بانی سلسلہ حضرت صابر کلیری کے حالات جو تذکرے اور سوانح کی کتابوں میں ملتے ہیں، محققین ان سے کلی طور پر اتفاق نہیں کرتے، ہاں! اتنا سب لکھتے ہیں کہ انھوں نے دنیا اور اہل دنیا سے الگ رہ کر صرف حق تعالیٰ سے لو لگا رکھی تھی، صاحب مرآۃ الاسرار لکھتے ہیں:

حال بلند اور ہمت قوی رکھتے تھے، غلبہ استغراق ذات مطلق کی وجہ سے آپ ہرگز دنیا کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تھے، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

مئے حرف وحدت کسے نوش کرد
کہ دنیا وعقبی فراموش کرد

جس نے وحدت کا پیالا پی لیا، دنیا وعقبی بھول گیا۔

آپ ابتداے سلوک سے اس قدر ریاضت ومجاہدات اور ترک وتجرید پر عمل پیرا ہوئے کہ احباب آپ کی صحبت کی تاب نہ لا سکے۔السلامۃ فی الوحدۃ والآفۃ بین الاثنین۔(سلامتی تنہائی میں ہے اور آفت دو کے درمیان ہے) کے مطابق آپ ہمیشہ اکیلے رہتے تھے، آپ تمام صوری ومعنوی قیود سے آزاد وبے نیاز تھے، آپ افراد کی طرح زندگی بسر کرتے تھے، آپ نفس قاطع رکھتے تھے اور جو کچھ منہ سے نکالتے تھے فوراً ہوجاتا تھا۔(مرآۃ الاسرار، ص: 851، شیخ عبد الرحمن چشتی/واحد بخش سیال چشتی، ادبی دنیا، دہلی)

آپ کے خلیفہ اور جانشین حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت محمد بن حنفیہ کی اولاد سے تھے۔ مرشد کی تلاش میں ترکستان سے ہندوستان آئے اور حضرت صابر کلیری کے دامن سے وابستہ ہوگئے، پانی پت کا علاقہ آپ کے حوالے ہوا، وہیں تربیت واصلاح اور تلقین وارشاد میں مصروف رہے، لیکن تجرید وتفرید آپ پر غالب تھی، مرآۃ الاسرار کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

طریقت میں آپ کی شان عظیم، کرامات وہمت بلند اور تجرد کمال پر تھا، غالب تجرد کی وجہ سے آپ اکثر لباس قلندرانہ چوبی پہنتے تھے، آپ دنیا، عقبی اور رسوم خلق سے بالکل مستغنی تھے اور ریاضات، مجاہدات، ذوق وشوق، تصفیہ باطن اور استغراق میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔(مرآۃ الاسرار، ص: 936)

اخیر عمر میں جو خرقہ خلافت اور نعمت دوجہاں حضرت صابر پاک سے حاصل تھی، آپ نے حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی کو عطا کردی اور اپنا جانشین مقرر فرمایا، شمس پانی پت شیخ نصیر الدین محمود کے ہم عصر ہیں۔

شیخ جلال الدین پانی پتی کا بھی حال ان حضرات سے کچھ جدا نہ تھا، شیخ عبد الرحمن چشتی رقم طراز ہیں:

آپ ذات مطلق میں اس قدر مستغرق ہوگئے تھے کہ آپ سے اور کوئی کام نہیں ہو سکتا تھا، صرف پنج گانہ نماز کے وقت آپ کے مریدین آپ کو مراقبہ سے نکال کر نماز پڑھالیتے تھے اس کے بعد آپ مراقبہ میں چلے جاتے تھے، جس وقت آپ مراقبہ سے سر اٹھاتے تھے جو کچھ زبان مبارک سے نکلتا تھا فوراً ہوجاتا تھا۔(مرآۃ الاسرار، ص: 1036)

گویا ان تینوں ادوار میں خاص طور سے ریاضت ومجاہدہ اور گوشہ نشینی پر زیادہ زور رہا، سلسلے کی اشاعت کی طرف توجہ کم رہی، یوں تو شیخ جلال الدین پانی پتی کے بہت سے خلفا تھے، لیکن شیخ احمد عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ان میں سے نمایاں تھی، ان کے دور میں سلسلہ صابریہ کو کافی شہرت ملی۔

چشتیہ صابریہ سلسلے کا سب سے پہلا مرکز جس کو ہم تاریخ کی روشنی میں دیکھ سکتے ہیں وہ ردولی (ضلع بارہ بنکی) ہے، شیخ احمد عبد الحق نے ایسے زمانے میں وہاں اپنی خانقاہ قائم کی تھی، جب چشتیہ سلسلے کا مرکزی نظام ختم ہوچکا تھا، نظامیہ سلسلے کے بزرگ گجرات، دکن، مالوہ، بنگال وغیرہ میں اپنی خانقاہ قائم کر رہے تھے، دہلی اور اس کے ارد گرد کا تمام علاقہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں سے تقریباً خالی تھا، شیخ احمد عبد الحق نے سیاحت کے دوران نظامیہ سلسلے کی بعض خانقاہوں کو دیکھا تھا اور حالت کا جائزہ لیا تھا۔ ردولی میں ان کی خانقاہ رشد وہدایت کا بڑا اہم مرکز بن گئی اور شمالی ہندوستان کے لوگ کثرت سے حاضر ہونے لگے، شیخ احمد عبد الحق نے 873ھ/1433ء میں وصال فرمایا۔(تاریخ مشائخ چشت، ص: 271)

یہ تھا سلسلہ چشتیہ کی تعلیم وتربیت اور اس کے شیوع واشاعت کا ایک اجمالی خاکہ، جو تقریباً دوسو سال کو محیط ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ہندستان کے اندر خواجہ ابو محمد چشتی کے کام کی تکمیل اور اسلامی تعلیمات کی عام اشاعت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے ہوئی، ان کے بعد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید الحق گنج شکر، خواجہ نظام الدین اولیا، خواجہ علاء الدین علی احمد صابر کلیری، خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی، خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی علیہم الرحمہ اور دیگر خلفاے سلسلہ نے چشتی مشرب کو خوب تقویت پہنچائی جس کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کے فروغ کا بہترین موقع فراہم ہوا، ان کی تعلیمات اور کارناموں نے اسلامی معاشرے کی مردہ رگوں میں زندگی کا نیا خون دوڑا دیا جس کی وجہ سے دعوت وتبلیغ میں اور تیزی آگئی، ان مشائخ نے باشندگان ہند کی اسلامی تربیت کی خاطر جی توڑ کوشش کی اور مشکل سے مشکل مراحل سے گزرے، لیکن ان کے پاے ثبات میں لغزش تک پیدا نہ ہوئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان اسلامی تعلیم وتربیت اور مذہبی تجدید واحیا کا سرچشمہ بن گیا۔ ☆☆☆

انوار حیات

مولانا وکیل احمد سکندر پوری

احوال و آثار

توفیق احسن برکاتی

متحدہ ہندوستان کے کثیر التصانیف علما و محققین میں "مولانا وکیل احمد سکندر پوری" کا نام بہت ممتاز ہے لیکن ان کے نام اور علمی و تحقیقی کاموں سے کم لوگ واقف ہیں۔ اس مضمون میں یہ کوشش کی جائے گی کہ ان کی مختصر سوانحی زندگی کے شب و روز نمایاں ہوں اور ان کے علمی کارناموں کی کچھ تفصیل پیش کی جائے۔

"سکندر پور" مشرقی اتر پردیش کے ضلع بلیا کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ سکندر پور اور اس کے گرد و نواح میں بہت سی باکمال ہستیاں گزری ہیں جن کا علم و فن اور ادبی و شعری کمال ماضی میں اس قصبے کے روشن نام کا اعلامیہ بن چکا ہے۔ ان میں سب سے مشہور نام مولانا عبدالعلیم آسیؔ غازی پوری کا ہے جو مولداً سکندر پوری ہی ہیں۔

نازش سکندر پوری اپنی کتاب "سکندر پور کی ادبی تاریخ" میں رقم طراز ہیں:

"سرزمین سکندر پور سے ایسی باکمال شخصیتیں ابھریں جن کی گوناگوں حکمت، علمی و ادبی صلاحیت، شاعرانہ عظمت، علم نجوم پر عبور و قدرت اور مذہبی و دینی خدمات کا خاصانِ علم و ادب نے اعتراف و احترام کیا ہے۔ ان برگزیدہ اور باکمال شخصیتوں کے کارنامے تاریخ کے اوراق میں بکھرے پڑے ہیں۔"

(سکندر پور کی ادبی تاریخ، طبع مارچ 1986ء، ص:30)

اس کتاب میں نازش سکندر پوری نے مولانا وکیل احمد سکندر پوری کے احوال مفتی محمد رضا انصاری کے تحریر کردہ مضمون "ایک ذہین مصنف" سے اخذ کیے ہیں جو "نذرِ مقبول" [مرتبہ: مولانا خیر بہوروی، سنہ اشاعت: ۱۹۷۰ء] میں شامل ہے۔

قصبہ سکندر پور کے ان باکمال بزرگانِ علم و ادب میں مولانا وکیل احمد سکندر پوری ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور سکندر پور علمی و ادبی عظمت کا روشن مینار بھی ہیں۔ ان کا سوانحی خاکہ درج ذیل ہے:

مولانا حکیم وکیل احمد بن قلندر حسین بن محمد وسیم بن محمد عطا عمری، حنفی ۹/ ذوالحجہ ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء کو شبِ جمعہ میں اپنے آبائی وطن قصبہ سکندر پور، ضلع بلیا [اتر پردیش] میں پیدا ہوئے۔ نام "وکیل احمد" اور تخلص "عاجزؔ" تھا۔ مولانا سکندر پوری نسباً فاروقی تھے۔ آپ کے اجداد میں شیخ مبارک عدنی چشتی فاروقی [متوفی: ۱۰۱۶ھ] عدن [جزیرہ نمائے عرب] سے ہجرت کرکے ہندوستان آئے اور قصبہ سکندر پور میں قیام فرمایا اور وہیں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔

مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے تاریخ یمینی [۱۸۸۷ء] کا اردو ترجمہ "آئینۂ چینی" [۱۳۰۵ھ] کے تاریخی نام سے کیا جو مطبع مصطفائی، محمود نگر، لکھنؤ سے ۱۳۰۵ھ میں طبع ہوا، اس ترجمہ کے اخیر میں مترجم نے اپنے مختصر سوانحی کوائف بھی تحریر کیے ہیں۔ اس خود نوشت کی ابتدا میں مولانا سکندر پوری نے اپنے جد اعلیٰ سے متعلق یہ حقائق درج کیے ہیں:

"ہمارا سلسلۂ نسبی حضرت بندگی مبارک فاروقی عدنی [علیہ الرحمۃ] کو پہنچتا ہے جو کاملین اولیاء اللہ [علیہم الرحمہ] سے تھے، ان کے وصال کی تاریخ یہ ہے:

بندگی در سکندر پور مشہور
قناعت پیشہ و در فقر مسرور
اگر سالِ وفاتش را بجوئید
مبارک رفت از دنیا بگوئید

(1016ھ)

حضرت بندگی کی قبر سکندر پور میں "یزار و یتبرك" ہے، دور دور سے لوگ آتے ہیں اور اپنے دامنِ حاجت کو ان کے فیض سے بھر پاتے ہیں۔ بالین قبر پر یوں کندہ ہے:

زیارت گاہ مردم ہست ایں قبر
مبارک بود شیخ با کرامت

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔ taufiqahsan92@gmail.com

پئے سالِ وفاتش گفت عاجزؔ
مبارک از جہاں بگزیدہ رحلت
(1016ھ)

سلاطین تیموریہ نے مصارفِ جماعت خانۂ حضرت بندگی کے لیے بہت بڑی جاگیر دی تھی، قوالوں کے نام علاحدہ جاگیر تھی۔ یہ بزرگ چشتی تھے، سماع سے نہایت ذوق تھا، حالت سماع میں اکثر وجد فرماتے تھے۔ مخدوم تاج محمود حضرت بندگی کے صاحب زادے درویش باکمال وصاحبِ حال وقال تھے، ان کا مزار بھی بندگی شیخ مبارک کے حظیرے میں ہے، لیکن اس کا صحیح نشان نہیں پایا جاتا۔"
(مولانا وکیل احمد، آئینۂ چینی ترجمہ تاریخ یمینی، مطبع مصطفائی، لکھنؤ، 1305ھ، ص:137, 138)

گھرانہ علمی تھا اس لیے پرورش وپرداخت کے ساتھ ان کی ابتدائی تعلیم سکندر پور میں ہی ہوئی۔ اپنے برادرِ بزرگ مولوی ولی الحسنین سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ 1271ھ تک فارسی کی معمولی کتابیں پڑھ کر جون پور گئے، وہاں خانقاہ رشیدیہ حضرت دیوان محمد رشید جون پوری قدس سرہٗ میں ٹھہرے۔ خانقاہ کے سجادہ نشین حضرت شاہ غلام معین الدین رشیدی [متوفیٰ: 1307ھ مطابق 1890ء]، شیخ عبدالعلیم آسی غازی پوری [متوفیٰ: 1335ھ مطابق 1916ء] اور دیگر علما کی بارگاہ میں مختصرات پڑھیں، پھر علامہ عبدالحلیم لکھنوی [متوفیٰ: 1285ھ مطابق 1868ء] کی شاگردی میں آئے اور اکثر درسی کتابیں انھی کے پاس پڑھیں۔ مولانا عبدالحلیم لکھنوی اس وقت جون پور میں بساط تدریس بچھائے ہوئے تھے اور ہندوستان بھر کے شائقین علم وفن ان کی بارگاہ میں جمع ہوکر اکتساب علم کر رہے تھے۔ حاجی منشی امام بخش کا مدرسہ جو "امامیہ حنفیہ" کے نام سے موسوم تھا اس وقت وہ طالبان علوم نبویہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے بڑی محنت وکاوش اور کامل توجہ وانہماک کے ساتھ علوم وفنون کی تحصیل کی۔ ذہن رَسا پایا تھا، طباعی اور اعلیٰ ظرفی اس پر مستزاد تھی، استاذ کی شفقتیں ملیں، محنت سے پڑھا اور انیس سال کی عمر میں 1276ھ میں علوم وفنون کی تحصیل سے فارغ ہوگئے۔ مولانا محمد عبدالحلیم لکھنوی، مفتی محمد یوسف، مولوی رحمت اللہ، مولانا محمد نعیم لکھنوی، مولوی امام الدین لاہوری وغیرہم نے بالقابِ جلیلہ اجازت نامہ لکھی۔

استاذ جلیل مولانا عبدالحلیم لکھنوی نے ملا احمد جیون امیٹھوی [متوفیٰ: 1130ھ مطابق 1717ء] کی لکھی ہوئی اصول فقہ کی درسی کتاب "نورالانوار" کا مشہور حاشیہ "قمرالاقمار" کے نام سے 1276ھ مطابق 1859ء کو مولانا وکیل احمد سکندر پوری ہی کے لیے تحریر فرمایا۔ اس وقت مولانا سکندر پوری کی عمر اٹھارہ سال تھی، مولانا لکھنوی حاشیہ میں رقم طراز ہیں:

"عند قراءة الفطين الأمجد المولوی وكيل أحمد من سكان السكندر فور صانها الله عن الشرور ذٰلك الشرح عليَّ۔"
(مولانا عبدالحلیم لکھنوی، قمرالاقمار حاشیہ نورالانوار، ص:3)

یعنی نورالانوار شرح منار کا حاشیہ قمرالاقمار میں نے اس زمانے میں تحریر کیا جب ذہین وفطین شاگرد مولوی وکیل احمد سکندر پوری مجھ سے یہ شرح [نورالانوار شرح منار] پڑھتے تھے۔

مولانا عبدالحلیم لکھنوی کے فرزند گرامی اور مشہور عالم ومصنف مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے مولانا وکیل احمد سکندر پوری کو "اَذکیٰ تلامذہ مولانا عبدالحلیم" کہہ کر یاد کیا ہے اور ایک دوسری جگہ تحریر کیا ہے:

"أرشد تلامذه وأفضل مستفيده، والذكاوة النقادة والطبعية الوقارة، جامع العلوم العقلية والنقلية، حائز المكارم العلمية والعملية-"

[یعنی مولانا وکیل احمد سکندری، مولا عبدالحلیم کے شاگردوں میں سب سے بہتر اور ان سے استفادہ کرنے والوں میں سب سے افضل، پرکھ رکھنے والے طبیعت کے مالک، علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع، علمی اور عملی کمالات پر حاوی ہیں۔] (مولانا عبدالغفار اعظمی، علما ومشائخ سکندر پور، طبع مکتبۂ آسی، سکندر پور، بلیا، ص:63)

مولانا آسی غازی پوری اور مولانا عبدالحلیم لکھنوی کے علاوہ انھوں نے مفتی یوسف بن محمد اصغر لکھنوی سے شمس بازغہ، مولانا سید معین الدین کاظمی کروی سے توضیح تلویح، مولانا سید انور علی لکھنوی سے قانون الشیخ کی تعلیم پائی۔ درسیات سے فراغت کے بعد شیخ نور کریم دریابادی سے طب وحکمت کی کتب پڑھیں اور حکیم یعقوب حنفی لکھنوی سے طبابت سیکھی۔

علم طب کی تحصیل کے بعد لکھنؤ، سکندر پور اور جون پور میں کچھ عرصہ تک مطب بھی کیا اور درس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ یہاں

آپ کی طبیعت نہیں لگی تو1283ھ میں فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن تشریف لے گئے۔حسن اتفاق سے آپ کے استاذ گرامی مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی ان دنوں وہاں مدرسہ نظامیہ میں تدریس وافتا کے منصب پر فائز تھے، یہ جب حیدرآباد گئے تو سیدھے اپنے استاذ گرامی کی خدمت میں پہنچے اور وہیں قیام کیا۔ اس وقت نواب افضل الدولہ بہادر دکن کے حکمراں تھے۔مولانا سکندر پوری سرکار آصفیہ میں صوبۂ شرقی کے نائب مقرر ہوئے۔ لیکن اپنی اعلیٰ درجہ ذہانت وفطانت اور علمی وتحقیقی رسوخ کی بنیاد پر ترقی کرتے ہوئے حیدرآباد ہائی کورٹ میں جج کے منصب جلیل سے سبک دوش ہوکر وظیفہ یاب ہوئے۔مدتِ ملازمت تقریبًا تیس سال کے عرصہ پر محیط ہے۔

مولانا وکیل احمد سکندر پوری کا شمار ذہین وفطین علما ومصنفین میں ہوتا ہے۔ان کی اعلیٰ طباعی اور بے مثال شعور وآگہی کی تعریف ان کے تقریبًا تمام تذکرہ نگاروں نے کی ہے۔جو مسئلہ ایک مرتبہ دیکھ لیتے وہ ہمیشہ کے لیے حاضر دماغ رہتا، اساتذہ کرام بھی آپ کی ذہانت کی داد دیتے۔ ان کے استاذ گرامی کا قول ماقبل میں گزرا،جس میں انھیں ”الفطین الامجد“ سے یاد فرمایا ہے۔حکیم عبدالحئی لکھنوی نے لکھا ہے:

”وكان مفرط الذكاء، سريع الادراك، قوي الحفظ، شديد الرغبة الىٰ المباحثة، كثير النكير علىٰ أهل الحديث-“(حکیم عبدالحئی لکھنوی،نزہۃ الخواطر،ص:517،ج:۸)

نازش سکندر پوری لکھتے ہیں:

”یہ بات عام طور پر دیکھی گئی ہے کہ اگر کسی استاذ کو کوئی ہونہار اور ذہین شاگرد مل جائے تو اس کی توجہ اور شفقت اس شاگرد پر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب اپنے اس شاگرد کی ذہانت وذکاوت دیکھ کر اس قدر مہربان ہوئے کہ اس وقت کے نصاب میں داخل تمام علمی ودینی کتابیں پڑھادیں۔“

(سکندر پور کی ادبی تاریخ،مارچ1986ء،ص:25)

مولانا عبدالغفار اعظمی رقم طراز ہیں:

”ان کی علمی ذہانت، وسیع النظری اور اصابتِ رائے کا سکہ علمی حلقوں میں چلا۔ ان سب باتوں سے زیادہ یہ کہ مولانا طباع اور شوخ مزاج تھے جس پر ان کی بیشتر تصانیف گواہ ہیں۔“

(علماومشائخ سکندر پور،مکتبہ آسی،سکندر پور،ص:64)

ذہانت وفطانت کے ساتھ دل میں بے خوفی اور مزاج میں انقلابی رنگ تھا، ہر طوفان سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے،کسی صاحبِ مسند اور حکومتی اہل کار سے مرعوب ہونا ان کے مزاج میں تھا ہی نہیں۔یہی وجہ ہے کہ اپنی ایک علمی ومذہبی حیثیت ہمیشہ قائم رکھی اور بھرپور اعتماد ویقین کے ساتھ اپنے موقف کا اظہار کرتے رہے۔

مولانا وکیل احمد سکندر پوری جتنے بڑے عالم ومتکلّم تھے اتنے ہی عظیم صوفی بھی تھے۔آپ سلسلۂ نقش بندیہ کے مشہور عالم مولانا میر اشرف علی ابن مولوی میر سلطان علی علیہ الرحمہ کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور سلسلۂ نقش بندیہ کی تشہیر وتعارف میں اپنی خدمات پیش کیں۔شیخ اشرف علی فن ادب وتصوف، حدیث، اسماء الرجال اور فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اہل سنت کے علما ومصنفین میں مولانا سکندر پوری کا مقام بہت بلند ہے۔

مفتی محمود احمد قادری ”تذکرہ علمائے اہل سنت“میں لکھتے ہیں:

”اپنے زمانے کے صاحبِ تصنیف اور اکابر علمائے اہل سنت میں تھے۔ حضرت مولانا شاہ احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ سے خاص تعلقات تھے۔“ (تذکرہ علمائے اہل سنت، مطبوعہ کان پور،1972ء،ص:256,257)

مولانا عبدالغفار اعظمی نے بھی امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ سے ان کے تعلقات کا ذکر کیا ہے لیکن یہ تعلق کس نوعیت کا تھا؟ خط وکتابت کے ذریعہ رابطہ رہا، یا ملاقات ہوئی تھی؟ان باتوں کا کوئی ثبوت کسی نے پیش نہیں کیا ہے۔

انتہائی مصروف زندگی کے بعد بھی مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے تصنیفات وتراجم کا گراں قدر ذخیرہ چھوڑا ہے۔تذکرہ نگاروں نے ان کی تصانیف وتراجم کی مجموعی تعداد سو سے قریب بتائی ہے۔انھیں علوم ادبیہ اور فنون لطیفہ پر کامل عبور حاصل تھا، زبان وبیان کے دھنی تھے،اعلیٰ پایہ انشاپرداز اور باشعور فن کار تھے۔سلطنت آصفیہ حیدرآباد کی عدالت عالیہ میں جج کے منصب پر فائز رہتے ہوئے قرطاس وقلم سے باضابطہ رشتہ استوار رکھنا کوئی آسان کام ہرگز نہیں تھا۔اہل علم کی مجلسوں اور ادبا وشعرا کی محفلوں میں ان کے علم وادب کا شہرہ تھا، ان کی تصانیف اپنوں اور غیروں کے مطالعہ میں تحسین وتنقید کی غرض سے موجود رہا کرتی تھیں۔زبردست علمی رعب اور تحقیقی مزاج کی شہرت کے باوجود تاریخ نگاروں اور تذکرہ نویسوں نے دانستہ ان کا تذکرہ نہیں کیا، اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اعتقادی طور پر مولانا وکیل احمد سکندر پوری ان

کے سخت حریف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شہرت انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ ان کے ذکر سے چشم پوشی کی یہ سب سے بڑی وجہ ہو سکتی ہے۔

راقم کے پاس حیدرآباد دکن کے مشاہیر کا تذکرہ "منظر الکرام" مصنفہ مولوی سید منظر اشہر ہے، جو 1345ھ میں عماد پریس، حیدرآباد سے شائع ہوا ہے، اس کتاب میں اعیان مملکت، سربراہان، مشیران، صدور، چیف کمانڈر، معتمدین، ارکان عدالت عالیہ، نظما، صوبہ داران، تعلق داران کے ساتھ ساتھ فضلا و شعرا اور اہل فن کا بھی تذکرہ ہے لیکن ان ناموں میں "مولانا وکیل احمد سکندر پوری" ندارد ہے۔ وجہ شاید وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

ان کا دور بھی زبردست علمی تعاقبات اور اعتقادی و نظریاتی اتھل پتھل کا تھا، ہر لمحہ ایک فکری انقلاب کا شور سنائی دیتا تھا۔ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے مسلمہ اعتقادی مسائل میں یار لوگوں نے خود ساختہ اور پیچ در پیچ بحثوں کو ایسا گتھم گتھا کر دیا تھا جس کی وجہ سے زبردست الجھاؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ اس جالے کو صاف کرنا علماے حق کی ذمہ داری تھی، ان میں کچھ میدان خطابت میں اپنی علمی و تنقیدی صلاحیتوں کا استعمال کر رہے تھے اور کچھ اربابِ فن قلمی و تحریری طور پر اس فتنہ سامانی کا مقابلہ کرنے میں ہمہ دم مصروفِ کار تھے۔ مولانا وکیل احمد سکندر پوری ثانی الذکر اہل علم میں تھے۔ ان کے ہاتھ میں قلم تھا جس کے ذریعہ وہ فتنہ پرور اور کاسہ لیس علما نما انسانوں کی جانب سے فروغ دی جانے والی گمراہی کا قلع قمع کر رہے تھے۔

مولانا سکندر پوری کا عہد علمی و اعتقادی، سیاسی و تمدنی اور معاشرتی و اقتصادی اعتبار سے ہنگامہ خیز تھا۔ مذہبی جنونیوں نے سادہ لوح ذہنوں میں ہیجان انگیز بنا ڈالا تھا اور صاحبان جبہ و دستار انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو کر اپنے دین و ایمان کا سودا کرنا شروع کر دیا تھا جس کی وجہ سے اعتقادی سطح پر اضطراب کا سیاہ بادل منڈلانے لگا اور وحدت اسلامی پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔ مسالک اربعہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کے متحدہ محاذ سے الگ راہ نکال کر تقلید ائمہ و اجماع امت کو شریعت سے متصادم ظاہر کیا جانے لگا۔ ظاہر سی بات ہے کہ ان جدید فتنوں سے اس دور کے علماے حق کی عملی و علمی زندگی کا متاثر ہونا لازمی تھا اس لیے انھوں نے اپنی بساط کے مطابق اپنی ذمہ داریاں ادا کیں اور باطل پرستوں کے خلاف جہاد باللسان والقلم کیا تاکہ امت مسلمہ کے اعتقادی حقائق مجروح ہونے سے محفوظ رہیں اور حق کا چہرہ پوری طرح چمکتا رہے۔

مولانا عبد الغفار اعظمی لکھتے ہیں:

"مولانا وکیل احمد سکندر پوری اپنے وقت کے ایک مقتدر عالم نبیل، فاضل جلیل، مفکر، محدث، محقق، مدقق، مناظر اور فضائل و کمالات کے جامع اور معرفت خداوندی سے سرشار تھے۔"

(علما و مشائخ سکندر پور، طبع مکتبۂ آسی، سکندر پور، بلیا، ص:72)

مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے اس دورِ ابتلا میں ایک عالم ربانی کا رول ادا کیا اور استقامت کے ساتھ اپنے موقف کا اظہار کرتے رہے۔ ان کی تصانیف میں زیادہ تر ایسے ہی اختلافی موضوعات کو جگہ ملی کیوں کہ یہی اس دور کا تقاضا تھا۔ غیر مقلدین نے جو خود ساختہ شوشہ چھوڑا تھا اور ائمۂ مجتہدین کے خلاف ان کی جس طرح دریدہ ذہنی جاری تھی اس پر بند باندھنا ضروری تھا، اس لیے ایسوں سے بحث و مناظرہ اور تحریراً و تقریراً ان کی تردید کا بازار گرم ہو گیا۔

نازش سکندر پوری لکھتے ہیں:

"اس معرکے میں مولانا وکیل احمد عاجز سکندر پوری سب سے پیش پیش تھے۔ سرکاری ملازمت میں اپنے فرائض کی انجام دہی کے ساتھ طبابت کے ذریعہ خلقِ خدا کی خدمت کی اور اپنے زورِ قلم سے اپنے عقائد کے مخالفین سے نبرد آزما رہے اور معترضین کے ہر اعتراض کا نثر و نظم میں دنداں شکن جواب دیتے رہے۔"

(سکندر پور کی ادبی تاریخ، مارچ 1986ء، ص:27)

حکیم عبد الحئی لکھنوی نے بطورِ طنز لکھا ہے کہ انھوں نے اہل حدیث [غیر مقلدین] اور سید احمد رائے بریلوی کے ساتھیوں پر سخت نقد و نکیر کی۔ "تذکرہ علما و مشائخ پاکستان و ہند" کے مصنف نے بھی تحریر کیا ہے کہ مولانا سکندر پوری نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا اور غیر مقلدین کی خوب خبر لی۔ مولانا کی اکثر تصانیف انہی اختلافی مسائل پر مشتمل ہیں اور بہت ہی حسن و خوبی کے ساتھ آپ نے ان موضوعات پر عمدہ تحقیقات پیش کی ہیں۔

باوجود کثرت کار کے انھوں نے تصنیف و ترجمہ کا مشغلہ جاری رکھا، بہترین نثر نگار اور اچھے شاعر تھے۔ اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر انھیں عبور حاصل تھا۔ "آئینۂ چینی" کی تکمیل [1305ھ] تک جو کتابیں مدون ہو چکی تھیں اپنی خود نوشت میں ان کی ایک

فہرست پیش کی ہے، وہ درج ذیل ہیں:

(1)تنبیه مخالفین بجواب تفضیح مخالفین(2) معیار الصرف[فارسی] (3) نقل مجلس [رودادِ مناظرہ مابین مولانا عبدالحلیم فرنگی محل و مفتی اسداللہ الہ آبادی] (4)تشیید المبانی بالنکاح الثانی (5) مکاتبہ [حاشیہ کشف المکتوم، فارسی] (6) حد العرفان (7) معین الطالبین [ردوہابیت] (8) صیانة الایمان عن قلب الاطمینان(9)ارشاد العنود الیٰ طریق أدب عمل المولود (10)سجیّه رضیه [در جواز محفل میلاد] (11) وسیلۂ جلیلہ (12) نصرۃ المجتہدین برد ہفوات غیر المقلدین (13) اعتماد بخطاے اجتہاد (14) ہدیہ مجددیہ[فارسی] (15) اصباح الحق الصریح عن احکام المحدث الحسن والقبیح(16)ارشاد المرغاد الیٰ مسلك حجة اخبار الأحاد [عربی] (17) تقریر دل پذیر در حرمت خمر وخنزیر (18) المحدد بجهات المجدد (19)الرفادة علیٰ جرح العبادة[فارسی](20)عقد الدرر[عربی](21)دافع الشقاق عن اعجاز الانشقاق(22)تبصرہ[تحریک وہابیت کا پس منظر] (23)ابطال الاباطیل برد التاویل العلیل[عربی](24) یاقوتی [فارسی] (25) دافع الوباء [فارسی] (26) لذۃ الوصال [فارسی] (27) تذکرة اللبیب فیما یتعلق بالطب والطبیب [فارسی](28)ازالة المحن عن اکسیر البدن (29) آئینۂ چینی ترجمۂ تاریخ یمینی (30) یاقوت رمانی شرح مقامات بدیع الزمان ہمدانی (31) رسالۂ اذان۔" (آئینۂ چینی ترجمہ تاریخ یمینی، مطبع مصطفائی، لکھنؤ، 1305ھ، ص:139،138)

ان کے علاوہ (32)الأنوار الأحمدیة[فارسی](33) الکلام المقبول فی اثبات اسلام آباء الرسول(34) نور العینین فی تفسیر ذی القرنین[عربی](35)التحقیق المزید فی لعن یزید (36) أخبار النحاة[اردو ترجمہ] (37)الیاقوت الأحمر شرح الفقه الأکبر(38)البصائر ترجمة الأشباہ والنظائر (39) تنقیح البیان بجواز تعلیم کتابة النسوان (40) دستور العمل بتدبیر المنزل(41)عمدة الکلام بجواز کلام الملوك ملوك الکلام (42)الادحاضات شرح الایماضات (43) الازدجار بجواب الاشتهار(44)الکلام المنجی برد ایرادات البرزنجی[عربی] (45) فتح الاسلام علیٰ الظلمة[عربی](46)تقویم الاسلام(47)وہابی نامہ[فارسی] (48)ناصح مشفق [مثنوی در ردِوہابیہ](49)نتیجہ [اردو، رد وہابیہ] (50) زبدۃ التحریر (51) صامت [عربی] (52) مرأة الرای [عربی] (53) مسباق الاطباء[فارسی](54) ماقوتی [فارسی] (55) تریاق فاروق[فارسی](56)کتاب اسرار[فارسی](57)گنج شائگاں [فارسی](58) رسالہ انبہ [فارسی] (59) خاتم سلیمانی [فارسی] (60) مغفرت نامہ [فارسی] (61) تذکرۃ العشائر (62) جلاء العیون ترجمه شفا الغیون(63)شمائم عنبریه در مدح خیرالبریه(64)عماد الاسلام در ذکر امیر شام(65) رسالہ چیچک (66) لُمعہ نور (67) ہدایا [ترجمہ وصایاے امام اعظم] (68)فیصلہ عدالت شرعی فتاویٰ عالم گیری (69) مرانجہ [معانقہ ومصافحہ کا اسلامی طریقہ] (70) عمدۃ المطالب (71) علم النفس (72) سوانح حیات [خود نوشت] (73)حدیقۃ العرفان (74) تبصرۃ الشیخ والشاب (75) تخریج احادیث گلستاں وبوستاں (76) خوانِ یغما [فارسی مثنوی] (77) دیوانِ حنفی [فارسی دیوان]" وغیرہ کتب ورسائل کا نام تذکروں میں ملتا ہے۔

مولانا وکیل احمد سکندر پوری کی تصانیف کا غالب موضوع باطل اور گمراہ فرقوں کا رد وابطال ہے۔ بالخصوص وہابیہ، غیر مقلدین کی انھوں نے جم کر خبر لی ہے اور نثر ونظم میں انھیں سربار برہنہ کیا ہے۔

نواب صدیق حسن خان [بھوپالی] کے ایما پر ایک غیر مقلد، کتب فروش غلام محی الدین نے "الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین" نامی کتاب تحریر کی جس میں اس نے ہدایہ، قدوری، شرح وقایہ، فتاویٰ ہندیہ اور کنز الدقائق وغیرہ کتب حنفیہ سے اپنے زعم فاسد کے مطابق سو مسائل منتخب کیے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ ائمہ مجتہدین نے ان مسائل میں احادیث نبویہ کی مخالفت کی ہے۔ جب یہ کتاب چھپی تو علماے اہل سنت مضطرب ہوئے اور یہ ضروری سمجھا گیا کہ مولف ظفر کی فریب کاریوں اور مغالطہ آمیز روش کو طشت ازبام کیا جائے۔ چناں چہ اس کتاب کے رد میں "فتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین" [از: مولانا منصور علی خان]، "نصر المقلدین فی جواب الظفر المبین" [از: مولانا احمد علی شاہ بٹالوی]

وغیرہ کتابیں منظر عام پر آئیں۔ مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے بھی "نصرة المجتهدين برد هفوات غير المقلدين" نامی ضخیم کتاب تصنیف کی اور علمی انداز میں مؤلف ظفر کا سخت محاسبہ وتعاقب کیا۔ "نصر المقلدین" طلبہ جماعت سابعہ جامعہ اشرفیہ [1433ھ مطابق 2012ء] نے شائع کی اور "نصرۃ المجتہدین" انھی طلبہ نے درجہ فضیلت [1434ھ مطابق 2013ء] میں تسہیل وتخریج کے ساتھ طبع کرائی۔

خاتمۂ کتاب میں مولانا سکندر پوری رقم طراز ہیں:

"مخفی نہ رہے کہ اس رسالے میں ضروری مقامات سے بحث کی گئی اور ان کے علاوہ "ظفر مبین" کے صدہا مقامات محض لغو ومہمل ہیں کہ جن میں بحث کرنا فضول سمجھا گیا اور اسی وجہ سے ان سے اعراض کیا گیا۔ اور اس کتاب [ظفر مبین] کے لغو ہونے پر اس کا مادۂ تاریخ دال ہے جو "غلام اکبر خان" نے اس کے آخر میں لکھا ہے: "پکار اٹھا ہاتف خرافات ہے" اور خود اس کے مولف نے آخر میں چند اشعار آب دار درج کیے ہیں اور اس کے آخر میں لفظ "بے حیائی" واقع ہوا۔ ان دونوں لفظوں نے من جانب اللہ اس مضمون کی شہادت دے دی کہ "وہ کتاب خرافات اور بے حیائی سے بھری ہوئی ہے۔" حق جل شانہ تمام امت محمدیہ کو مکاید غیر مقلدین سے محفوظ رکھے۔"

(نصرۃ المجتہدین، طبع جامعہ اشرفیہ، اپریل 2013ء، ص:320)

"نصرۃ المجتہدین" کے رد میں غیر مقلد مولوی محمد سعید بنارسی نے "صيانة المقتصدين" نامی کتاب لکھی تو اہل سنت کی جانب سے مولانا احمد علی شاہ بٹالوی نے "حماية المقلدين" لکھ کر جواب الجواب دیا جو جامعہ اشرفیہ سے مطبوع نصرۃ المجتہدین کے اخیر میں شامل ہے۔ ان دونوں کتابوں کی تسہیل وتصحیح کا کام مفتی محمد صادق مصباحی [استاذ سعید العلوم، یکماڈپو، لکشمی پور، مہراج گنج، یوپی] نے انجام دیا ہے۔

مولانا وکیل احمد سکندر پوری کے تراجم بھی ادبی حسن اور بیانیہ کے جوہر سے مالا مال ہیں۔ محققین ادب کا ماننا ہے کہ وہ ترجمہ زیادہ مفید اور اثر انگیز ہوتا ہے جس میں اصل مصنف کی مراد کی ترجمانی ہو اور تفہیم کی دشواری ختم ہو جائے۔ ایسا لگے کہ ہم اصل کتاب پڑھ رہے ہیں۔ ترجمہ کی یہ خوبی یہاں پوری توانائی کے ساتھ نظر آتی ہے۔

"آئینۂ چینی ترجمہ تاریخ یمینی" کے خاتمۃ الطبع میں درج ہے:

"یہ کتاب مفید طلاب، پسندیدۂ شیخ وشاب یعنی مرأت صورت نمائے حسن معنی موسوم بہ "آئینۂ چینی ترجمۂ تاریخ یمینی"، جس کو مہر سپہر دینی، ماہِ آسمان دوربینی، صدر آرائے ایوان وجاہت و بردباری، فرماں روائے مملکت ہمہ دانی وتاریخ نگاری، فاضل جلیل، مورخ بے بدیل، کشافِ دقائق معنوی وصوری جناب مولانا مولوی حکیم وکیل احمد صاحب سکندر پوری نے صیقل بیان سے آئینۂ سکندری کی طرح چمکایا ہے اور ترجمۂ عزلی کے جوہر بلاغت کو اردوے معلی کی فصاحت میں جلوہ گر فرمایا ہے۔ مشکل مضمون کو کیسا آسان کر دیا اور پھر اختصار کے ساتھ کہ گویا دریا کو کوزے میں بھر دیا۔ ترجمے کے کمال کی حسن وخوبی ادا کی ہے اور منصب تاریخ نگاری کی داد دی ہے۔ کہاں ہیں طالب اس جوہر فن کے اور کدھر ہیں شائق اس گوہر سخن کے؟ سر سے قدم کر کے آئیں اور بہ نقد دل وجاں اس کو خرید فرمائیں۔"

(آئینۂ چینی، مطبع مصطفائی، لکھنؤ، 1305، ص:139)

آپ اعلیٰ فکر سخن فہم بھی تھے، دوربینی اور دقت نظری ان کی شناخت تھی اور نپے تلے جملوں میں ایک جہان معنی سمیٹ دینا ان کا کمال تھا۔ اختصار میں جامعیت کا حسن اور ایجاز کی دل کشی رکھتے تھے۔ غیر مقلدین کے امام اور ترجمان وہابیہ کے مؤلف نواب صدیق حسن خان فارسی میں شعر کہتے تھے۔ ان کے شعری دیوان میں ایک غزل تھی جس میں قاضی شوکانی سے مدد مانگی گئی تھی، اس غزل کی ردیف "مددے" ہے، یہ نواب کے خود ساختہ عقائد کے واضح خلاف تھا، بعد میں جب انھیں احساس ہوا تو اس پر ایک حاشیہ دیا: "اشعار میں مردہ لوگوں کو اس طرح پکارنا ممنوع نہیں ہے۔"

مولانا سکندر پوری کی نظر جب اس غزل پر پڑی تو جواب میں ایک غزل کہی اور نواب کے حاشیہ پر یہ حاشیہ تحریر کیا:

"حیرت پر حیرت ہوتی ہے کہ نواب صدیق حسن خان صاحب پچاس سالہ مردہ قاضی شوکانی کو طلب امداد کے لیے پکارنے کو جائز سمجھیں اور آں حضرت ﷺ کو پکارنے کو جب کہ آں حضرت [ﷺ] کی حیات (دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی) تسلیم شدہ ہے، شرک وبدعت قرار دیں؟ ناانصافی نے اس سلسلے میں کس قدر اندھا کر دیا ہے اور قرب نبوی سے کس قدر دور ڈال دیا ہے۔"

(نازش سکندر پوری، سکندر پور کی ادبی تاریخ، مارچ 1986ء، ص:28)

مولانا وکیل احمد سکندر پوری عالم وفاضل بھی تھے اور طبیب

حاذق بھی۔علم طب میں انھیں درجۂ اختصاص حاصل تھا، انھوں نے اپنے طبی تجربوں پر مشتمل جو کتابیں تحریر کی ہیں وہ کافی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کی کتاب ”یاقوتی، ماقوتی“ سے طب یونانی کا کوئی طالب علم ناواقف نہ ہوگا۔ ان کے علاوہ فن طب میں تین فارسی کتابیں ”تذکرۃ اللبیب فیما یتعلق بالطب والطبیب ، ازالۃ المحن عن اکسیر البدن اور دافع الوباء“ یادگار ہیں۔

فکر جدید کے علم برداروں اور نام نہاد نیچریوں کے امام سر سید احمد خان کے خلاف عربی زبان میں ”ارشاد المرغاد الیٰ مسلك حجة أخبار الآحاد“، فارسی میں ”الافادۃ علیٰ جرح العبادۃ“ اور اردو میں ”المحدد بجہات المجدد“ تصنیف کی۔ یہ تینوں کتابیں رسالہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ کے گمراہ کن مضامین کے خلاف لکھی گئیں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ کے دفاع میں تین ضخیم کتابیں تصنیف کیں: (۱) ہدیہ مجددیہ (۲) انوارِ احمدیہ(۳) الکلام المنجی۔ پہلی کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے ان شکوک وشبہات کا علمی انداز میں جواب ہے جو ان کے دل میں مکتوباتِ مجدد الف ثانی کے بعض اندراجات سے پیدا ہوگیا تھا اور جس کے رد میں شیخ دہلوی نے ایک رسالہ بھی تحریر کیا تھا، بعد میں انھوں نے ان اعتراضات سے رجوع کرلیا۔

ہدیہ مجددیہ ۱۳۱۱ھ میں تحریر ہوئی۔ ”انوارِ احمدیہ“ سید محمد برزنجی کی کتاب ”قدح الزند“ اور ایک دوسری کتاب ”مکاشف الاسرار“ کا جواب ہے۔ یہ کتاب ۱۳۰۹ھ میں لکھی گئی۔ ”الکلام المنجی“ سید محمد برزنجی کی کتاب ”قدح الزند“ کا مکمل جواب ہے جو عربی زبان میں ہے۔ یہ ۱۳۱۲ھ میں تصنیف کی گئی۔ یہ تینوں کتابیں مطبع مجتبائی، دہلی سے طبع ہوئیں۔

مولانا وکیل احمد سکندر پوری سلسلۂ رشیدیہ کے مشہور بزرگ اور ممتاز صوفی شاعر حضرت مولانا عبدالعلیم آسی غازی پوری علیہ الرحمۃ کے چچازاد بھائی تھے۔ چوں کہ خاندانی صوفی مشرب تھا، تصوف وسلوک کی بادِ بہاری میں بچپن گزرا تھا، شعر وشاعری کی فضا میں پروان چڑھے تھے، اس لیے طبیعت میں موزونیت کا پیدا ہونا مشکل نہ تھا، طبیعت کی یہی موزونی انھیں شاعری کا ذوق دیتی ہے، اس لیے اس میدان میں اترے تو ”عاجز“ تخلص اختیار کیا اور گاہے گاہے ان کا شعری کمال دنیا کی نگاہ میں آتا رہا۔ ممتاز محقق وتذکرہ نگار محمد اقبال مجددی لکھتے ہیں:

”آپ شاعر بھی تھے، فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے، آپ کا فارسی دیوان 1306ھ کو لکھنؤ سے طبع ہوا تھا جو دراصل نواب صدیق حسن خان کے دیوان ”نفح الطیب“ کے جواب میں ہے۔ نواب صاحب کے دیوان کا موضوع عربی وفارسی ادب کی بجائے رائے، خرد، اجماع اور تقلید کی مذمت ہے۔ مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے ہر نظم کا ترکی بہ ترکی جواب دیا ہے اور بہت مزے لے لے کر طنز ومزاح کیا ہے۔ ان کے بعض دیگر منظوم رسائل کے علاوہ فارسی میں ”خوان یغما“ (مثنوی بجواب من وسلویٰ مصنفہ مفتی عباس شوستری) بھی طبع ہو چکی ہے۔“ (تذکرہ علما ومشائخ پاکستان وہند، پروگریسیو بکس، لاہور، 2013ء، جلد اول، ص:244)

مولانا وکیل احمد سکندر پوری کی تصانیف کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ کافی وسیع تھا، فکر میں گہرائی اور شعور میں پختگی نمایاں ہے، تحریر میں علمی واستدلالی رنگ جھلکتا ہے اور مباحث منطقی نتیجے تک پہنچے ہوتے ہیں۔ ذہن کی تیزی اور دماغ کی قوت سے پڑھی ہوئی کتابیں اور مضامین مستحضر رہتے تھے۔

مولوی محمد ادریس نگرامی لکھنوی نے آپ کی پچاس کتابوں کے اسما ذکر کیے ہیں اور یہ تاثر دیا ہے:

”آپ کے ذہن ثاقب وطبع رسا کی توصیف میں دفتر درکار ہے۔ مؤلف نے اکثر آپ کی تالیفات دیکھے۔ نہایت وسیع النظر ومحقق ہیں۔ آپ عرصہ تیس سال سے ریاست حیدرآباد دکن میں عہدہ ہائے جلیلہ پر مامور ہیں، فی الحال ناظم عدالت گلبرگہ ومجسٹریٹ درجۂ اول ہیں۔“ (تذکرہ علمائے حال، مطبع نولکشور، لکھنؤ، 1897ء، ص:97)

۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں چونسٹھ برس کی عمر میں حیدرآباد دکن میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں آسودۂ خاک ہیں۔

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہرباری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

[اس مضمون کی تیاری میں محب گرامی مولانا ابرار احمد مصباحی نے مواد کی فراہمی میں کافی تعاون کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی کرم نوازیوں کا صلہ انھیں دارین میں عطا فرمائے، آمین]

☆☆☆☆☆

یادِ رفتگاں

مولانا ڈاکٹر شکیل اعظمی مصباحی علیہ الرحمہ

حیات و خدمات

مولانا اختر کمال قادری گھوسوی

جامعہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور کے ایک قابلِ فخر فرزند، جامعہ اشرفیہ کی مجلسِ شوریٰ کے ایک اہم رکن حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے چہیتے شاگرد اور معتمد معالج مولانا ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی گھوسی کے ایک مشہور ڈاکٹر و حکیم تھے، یومِ بدر 17 رمضان المبارک 1443ھ مطابق 30 اپریل 2021 بروز جمعہ بوقت سحر ساڑھے تین بجے آپ کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

آپ کی اس مبارک شب میں قابلِ رشک موت پر جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے شیخ الحدیث حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی اپنے تعزیت نامے میں لکھتے ہیں:

"موت تو سب کو آنی ہے مگر جو موت رمضان شریف کے ماہِ مبارک میں جمعہ کے دن ہو، یوم الفرقان کا شرفِ نسبت بھی حاصل ہو، اس موت کا کیا کہنا۔ رمضان اور جمعہ کی برکت سے سوالِ نکیرین کی مشکل گھڑی سے نجات مل جاتی ہے، اس میں یہ آرزو کی جاتی ہے۔

روح جب تن سے جدا ہو
ماہِ رمضاں، دن جمعہ ہو

ادارہ اور اس کے جملہ اربابِ حل و عقد اپنے اس محسن و شیدائی کے انتقال پر ملال پر سوگوار ہیں اور دعا گو ہیں کہ رب کریم ان کی مغفرت فرمائے اور انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کے صاحب زادگان و دیگر پس ماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔ إن للہ ما أخذ ولہ ما اعطی و کل شیء عندہ بأجل مسمیٰ (حدیث)

مختصر تعارف:

آپ مردم خیز قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مئو) کے محلہ کریم الدین پورہگھی کے ایک علمی گھرانے میں 12 ستمبر 1942ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا حکیم ابو البرکات گھوسی کے مشہور حکیم و معالج تھے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے تھے، اس لیے آپ کی بیش تر تعلیم حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں ہوئی۔ حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی تعلیم و تربیت سے آپ نے گہرا اثر قبول کیا۔ درجۂ فضیلت کی سال یونانی میڈیکل کالج، الہ آباد میں ایف. ایم. بی. ایس میں داخلہ لے لیا۔ حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ نے خصوصی طور پر انھیں بلا کر 1961 میں ان کی جماعت کے ساتھ دستار فضیلت سے نوازا۔

ڈاکٹری کی ڈگری مکمل کرنے کے بعد اپنے وطن گھوسی میں اپنے والد کی جگہ طبابت کا پیشہ اختیار کیا اور زندگی کے اخیر لمحہ تک از 1964 تا 25 اپریل 2021 نصف صدی سے زیادہ ستاون سال تک آپ نے لوگوں کا علاج کیا۔ آپ کی تشخیص (مرض کی پہچان) بہت موزوں ہوتی، طبیبِ حاذق ہونے کی حیثیت سے آپ مرجعِ عوام و خواص تھے۔ آپ کو حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ اور حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے معالج ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

دینی خدمات:

مولانا ڈاکٹر شکیل اعظمی مرحوم ذہین و ذی استعداد عالم دین بھی تھے، مگر اپنے پیشۂ طبابت کی مصروفیات کی وجہ سے دینی و علمی کارناموں کی طرف توجہ کا موقع کم میسر آیا۔ ایک اچھے، بیدار مغز عالمِ دین ہونے کی وجہ سے بہت سے علمی شرعی مباحث میں حصہ لیتے اور اس سے متعلق فقہاے کرام سے مراجعت بھی کرتے اور زمانے کے نئے مسائل پر بھی گہری نظر تھی، اس سے متعلق بھی انھوں نے متعدد فقہاے کرام سے استفتا کر کے امت مسلمہ کی بڑی الجھنیں دور کیں۔ تعدیۂ مرض شرعی نقطۂ نظر سے، حضرت آسی غازی پوری علیہ الرحمہ کے

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

شعر کی تشریح، لفظ کملی کی شرعی و ادبی حیثیت، کتابت نسواں جیسے اہم مسائل پر تفصیلی استفتا کیا، جس کے بعد بہت سے علمی و تحقیقی گوشے سامنے آئے اور امتِ مسلمہ کے لیے صحیح راہِ عمل سامنے آئی۔ اِن سب کی تفصیل مع نقد و تبصرہ ان کی کتاب شعورِ نظر میں مطبوع ہے۔

ادبی کارنامے:

ڈاکٹر شکیل اعظمی کے جس وصف و کمال نے علمی، دینی اور ادبی دنیا کو زیادہ متاثر کیا وہ بساطِ شعر و ادب ہے۔ آپ بہترین شاعر، معروف نقاد اور عروض و قوافی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ زبان و بیان کے رموز و اسالیب پر بھی آپ کی گہری نظر تھی۔ بہت سی ادبی بحثوں میں اپنے معاصرین سے مراسلاتی بحث و مباحثہ اور جواب الجواب مشہور ہے۔

ایک بلند پایہ نعت گو شاعر اور ادیب و نقاد کی حیثیت سے آپ ملک بھر میں معروف و مقبول تھے۔ اردو زبان کے مشہور و معروف شعرا و ادبا سے مضبوط روابط تھے۔ شعر و ادب کے مسائل میں اہلِ علم آپ کی جانب رجوع کرتے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ کے بعض اشعار پر اعتراضات کے جوابات اور بعض اشعارِ رضا کی توضیح و تشریح آپ کا ایک اہم کارنامہ ہے جس کی تفصیل "شعور نظر" کتاب (جو دین و ادب کے مختلف موضوعات پر بڑے گراں قدر اور وقیع مضامین و مقالات کا مجموعہ ہے) میں مطبوع ہے۔

شعر و سخن کی مختلف اصناف میں آپ نے طبع آزمائی فرمائی، خاص طور پر نعت نگاری میں آپ کو امتیازی مقام حاصل تھا۔ آپ کی نعتیں فکر و فن کے ساتھ عشق و وارفتگی سے لبریز ہیں۔

"گلِ قدس" کا آپ کا اولین مجموعۂ حمد و نعت ہے جس میں شرعی آداب و قیود کے ساتھ فکر و فن کی لطافت و پاکیزگی بھی ہے۔ آپ کا دوسرا شعری مجموعہ حرفِ ثنا جو منقبتوں کا ایک حسین دل کش مرقع ہے، اور تیسرا شعری مجموعہ "آشوب آگہی" کے نام سے ہے جو غزلوں، نظموں اور قطعات کا مجموعہ ہے۔ آپ کے نام بہت سے علمائے کرام، صاحبانِ فن اور ادبی شخصیات کے خطوط کا مجموعہ بھی "خطوطِ مشاہیر" کے نام سے ہے۔ کئی مشہور شعرا کے مجموعہ ہائے کلام پر آپ کا تنقیدی تبصرہ بھی مطبوع ہے۔ جیسے مفتی حسن منظر قدیری کی شاعری کا مجموعہ "عکسِ جمیل" اور ڈاکٹر منور انجم صدر شعبۂ اردو ڈگری کالج مئو کے دو مجموعہ ہائے کلام "شرح آرزو" اور "شہرِ آرزو" پر اور مشہور شاعر ماجد دیوبندی کے شعری مجموعہ "لہو لہو آنکھیں" اور "جادۂ عرفاں" کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ۔ اور جناب عثمان اوجؔ صاحب کی بہترین کاوش "تضمین سلامِ رضا" پر تبصرہ اور رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی شاعری پر ایک عمدہ تبصرہ اور ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے یادگاری نمبر بنام "جہانِ رئیس القلم" پر ایک عمدہ تبصرہ بھی آپ نے تحریر فرمایا۔

اساتذۂ کرام سے حسنِ عقیدت:

اپنے آقائے نعمت جلالۃ العلم حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی شخصیت پر ایک گران قدر معلوماتی مضمون بنام "حافظِ ملت ایک غیر معمولی شخصیت" تحریر کیا ہے جو قابلِ مطالعہ ہے۔ اخیر میں بطور اظہارِ حقیقت لکھتے ہیں:

"حافظِ ملت کی غیر معمولی شخصیت کے یہ چند مظاہر محض تیمّناً ہدیۂ ناظرین کرنے کی جسارت کی ہے، ورنہ حق تو یہ ہے کہ آپ کی ذکاوت و فراست اور فکری گہرائی و گیرائی کا صحیح اندازہ لگانا، آپ کے تدبر و فکر پر مبنی واقعات کا احاطہ کرنا اور آپ کی فکری صلاحیتوں کو کما حقہ اجاگر کرنا ہم جیسے کم فہم و بے بضاعت انسان کے بس کی بات نہیں۔

گماں مبر کہ بپایاں رسید کار مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

آپ اپنے استاذ محترم حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے بڑے شیدائی تھے، اپنی زندگی بھر کی ساری کامیابیوں کو ان کی دعاؤں کا ثمرہ جانتے تھے۔ آپ کا بڑا مشہور شعر ہے۔

مجھ سے مت باتیں کرو سطوتِ شاہانہ کی
میں درِ حافظِ ملت کا گدا ہوں لوگو
مجھ کو اللہ نے ہر طرح نوازا ہے شکیلؔ
یعنی میں حافظِ ملت کی دعا ہوں لوگو

محقق عصر فقیہِ اعظم شارحِ بخاری حضرت علامہ الحاج مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ صدر شعبۂ افتا و ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی وفات حسرت آیات پر بھی آپ نے ایک مضمون بنام "آہ نائبِ مفتیِ اعظم ہند" تحریر کیا ہے۔ آپ حضرت شارحِ بخاری کے تلامذہ میں سے ہیں، مضمون کا آغاز اپنے اس شعر سے کیا ہے۔

اٹھ گیا دہر سے وہ مفتیِ دوراں افسوس
اب نہیں ہم میں وہ ملت کا نگہباں افسوس

آگے لکھتے ہیں۔

ناز تھا جس پہ جماعت کو وہ انساں نہ رہا
ہائے افسوس کہ وہ مفتیِ ذی شاں نہ رہا
تیرے علمی کارنامے تجھ کو بخشیں گے دوام
آبِ زریں سے لکھے گا کل مؤرخ تیرا نام
تو نے نسلِ نو کو بخشا ہے شعورِ علم و فن
ہے تری ذاتِ گرامی لائقِ صد احترام

آپ کا ایک انتہائی وقیع اور مبسوط مضمون شارحِ بخاری کی نزہت القاری شرح صحیح البخاری کی عظمت طرزِ تحریر اور استدلال کی قوت پر ''نزہت القاری کا اسلوب تحریر و تفہیم'' کے عنوان سے ہے جس کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

''اسلوبِ تحریر و تفہیم عالمانہ و محققانہ ہونے کے باوجود بے حد شگفتہ، شستہ، عام فہم اور قاری و سامع کے دل و دماغ کو متاثر اور مطمئن کرنے والا ہے، ورنہ عموماً علمی مباحث کے طرزِ تحریر و تفہیم میں ابہام و اغلاق اور ژولیدگی و پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے جس سے عام قاری و سامع کا ذہن نہ صرف اخذ و قبول سے قاصر ہوتا ہے، بلکہ انتشار و پراگندی کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔ نزہت القاری کے شستہ و شگفتہ اسلوب تحریر و تفہیم کے پاکیزہ جلوے دیکھ کر خود بخود کو شارح کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اور بے ساختہ کہہ اٹھیں گے۔

نزہت القاری ہے تیرے فکر و فن کا آئینہ
حسنِ تفہیمات و اسلوبِ سخن کا آئینہ
اس میں تشریحاتِ فرمانِ رسالت کے ہیں پھول
ہے یہ الفاظ و معانی کے چمن کا آئینہ

دورِ حاضر میں محققِ مسائلِ جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی شیخ الحدیث و صدر مفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی علمی گہرائی و گیرائی کا اعتراف کرتے تھے اور شرعی مسائل میں ان پر اعتماد کرتے تھے۔

مناصب و اعزازات:

آپ کی دینی، علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور نے آپ کو بموقعِ عرسِ حضور حافظ ملت یکم جمادی الآخرہ 1432ھ/5 مئی 2011ء کو حافظ ملت ایوارڈ تفویض کیا، جسے آپ نے حضرت سید امین ملت صاحب قبلہ سجادہ نشین مارہرہ شریف و حضرت عزیز ملت علامہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مبارک ہاتھوں سے وصول کیا، جس کے ساتھ حضرت عزیز ملت کے قلم سے ایک توصیف نامہ بھی عطا کیا گیا، جس میں حضرت عزیز ملت قبلہ تحریر فرماتے ہیں:

''حافظِ ملت اور ان کی تحریک اشرفیہ سے ڈاکٹر شکیل اعظمی کی محبت و شیفتگی شہرۂ آفاق ہے، آپ نے ایک یادگار ترانۂ اشرفیہ بھی تحریر کیا ہے جو اہم مواقع پر جامعہ اشرفیہ میں پڑھا جاتا ہے۔ آپ عرصۂ دراز سے جامعہ اشرفیہ کی مجلسِ شوریٰ کے اہم رکن ہیں۔ شوریٰ کے سالانہ اجلاس میں آپ کے مشوروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، جامعہ کے اہم امور کی الجھی گتھیوں کو سلجھانے میں بھی آپ کا نمایاں کردار رہتا ہے۔ تنظیم ابنائے اشرفیہ کی مرکزی کمیٹی میں آپ مشیر اعلیٰ کے عہدہ پر فائز ہیں، تنظیمی سرگرمیوں کے حوالے سے بھی آپ مفید مشوروں سے نوازتے ہیں۔''

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کا مختصر تعارف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محترم ڈاکٹر شکیل اعظمی نستعلیق طرزِ حیات، نازک خیال، پاکیزہ مزاج، متوازن فکر، گہری بصیرت، تحقیقی نقطۂ نظر کے حامل فردِ فرید کا نام ہے۔ شاعرانہ رنگ و آہنگ اور ادیبانہ لب و لہجہ کے باوجود عالمانہ وقار و تشخص رکھتے ہیں۔ شریعت کی پاس داری، بلند کرداری، حق گوئی اور صداقت شعاری آپ کے اوصافِ جمیلہ ہیں۔ آپ بلاشبہہ جامعہ کے ہمدرد، وفاشعار اور قابلِ افتخار فرزند ہیں۔''

اسی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں ایک دوسرا ایوارڈ ''خوشبوے حسّان'' من جانب تنظیم شعراے اہلِ سنت (الہند) بموقع جشن ڈاکٹر شکیل اعظمی گھوسی مئو، بدست حسان الہند حضرت بیکلؔ اتساہی بتاریخ 19 مئی 2011 آپ کو دیا گیا، جس کے ساتھ مولانا خوش تر نورانی دہلی، ایڈیٹر جامِ نور اور مولانا اسید الحق بدایونی علیہ الرحمہ کے قلم سے لکھا ہوا ایک توصیف نامہ بھی عطا کیا گیا۔

☆☆☆☆

فکر ونظر

مدارس اسلامیہ اور ہماری ذمہ داریاں

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر وبصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

اگست 2021 کا عنوان — واقعاتِ کربلا کی عصری افادیت
ستمبر 2021 کا عنوان — سوشل میڈیا کے مثبت نتائج

لاک ڈاؤن، مدارسِ اسلامیہ اور ہماری ذمہ داریاں

نعیم الدین فیضی برکاتی

کرونا وائرس نے کمی اور بیشی کے ساتھ سب کو متاثر کیا ہے۔ تاہم دہاڑی مزدور کی زندگی سب سے زیادہ متاثر ہوئی ہے۔ گاؤں دیہات سے لے کر شہر بازار تک ہر کوئی کورونا کے درد سے کراہ رہا ہے۔ مارکیٹوں میں سناٹا پسرا ہوا ہے، بڑی بڑی کمپنیاں اور کارخانے ماتم کدہ میں تبدیل ہو چکے ہیں، سرمایہ دار اور تجار اپنی بربادی اور زبوں حالی کے قصے سنا رہے ہیں۔ اس خطرناک وبا نے صرف انسانیت ہی پر اپنے زہر آلود پنجے نہیں گاڑے بلکہ اس کی وجہ سے ملکی معیشت میں بھی بھاری گراوٹ آئی ہے۔ پہلے ہی نوٹ بندی اور جی ایس ٹی کی مار سے بسمل کی طرح تڑپ رہی زخمی معیشت کو اس بیماری نے آئی سی یو میں لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ آٹو سیکٹر پہلے ہی سے بحرانی حالات سے دوچار ہے۔ ڈاٹا کے مطابق بے روزگاری نے پچھلے پینتالیس سال کا ریکارڈ توڑ کر پڑھے لکھے سند یافتہ نوجوانوں کو پکوڑے بیچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ دوسری طرف نظر اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس کی زد میں فلاحی اور دینی ادارے بھی آ گئے ہیں جو اپنی بربادی کے مرثیے پڑھ کر عوام اور دیگر صاحب ثروت مخیر حضرات سے تعاون اور امداد کی اپیل کر رہے ہیں۔ اب ایسے حالات میں جہاں حکومت کی ذمہ داری ملک کی بدتر معیشت کو پھر سے پٹری پر لانے اور پڑھے لکھے نوجوانوں اور مزدوروں کو روزگار مہیا کرانے کی ہے وہیں اہل خیر کی دینی اور اخلاقی ذمہ داری ملک کے سب سے بڑے اقلیتی طبقہ کے افراد کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کی ہے۔

رمضان المبارک کے مہینہ میں تمام مدارس اپنے پورے سال کے اخراجات کا انتظام کرتے ہیں، جس کے لیے مدارس کے اساتذہ اور محصلین حضرات چندہ کی غرض سے ہندوستان کے مختلف بڑے بڑے شہروں اور صوبوں کا رخ کرتے ہیں، جہاں مخیر اور دولت مند حضرات سے ملاقات کر کے زکات وعطیات کے رقوم وصول کر کے لاتے ہیں اور پھر ان پیسوں سے مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبا وطالبات کے پورے سال کے قیام وطعام اور طبی سہولیات کے ساتھ ساتھ ان کے کتابوں وغیرہ کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ مگر اس بار بھی گذشتہ سال کی طرح لاک ڈاؤن کی وجہ سے مدارسِ اسلامیہ خاطر خواہ چندہ نہ کر سکے جس کی وجہ سے بہت سارے مدارس تو وہ ہیں جو بند ہو چکے ہیں، اور بہت سے مدارس قرض لے لے کر اپنا کام چلا رہے ہیں۔

دور حاضر میں مدارس کی اہمیت اور افادیت سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ دینی مدارس ومکاتب کا وجود اس مادیت زدہ اور پر فتن دور

ریسرچ اسکالر رانی پور، پورندر مہراج گنج (یوپی) mohdnaeemb@gmail.com

میں ناگزیر ہے۔ یہی وہ مدارس ہیں جو غیروں کی ہزار ہا الزام تراشیوں اور بے بنیاد تہمتوں کے باوجود اپنے فیکٹریوں سے لاکھوں کی تعداد میں افراد تیار کر کے مساجد و مدارس کو بھیجتے ہیں جہاں یہ جاکر دین متین کی خدمت کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں، لوگوں کو اسلامی رنگ میں رنگتے ہیں اور اصلاح ورہنمائی کا کام کرتے ہیں۔ اسلام کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں اور پروپیگنڈہ کی پرزور مذمت کر کے ان کے مسکت اور دندان شکن جواب کا اپنے دارالافتا اور مدرسوں میں پیٹھ کر حل تلاش کرتے ہیں۔ یہ بات کہنے میں ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے کہ موجودہ دور میں جہاں دینی مدارس اسلام کے قلعے، ہدایت کے سرچشمے اور دین کی نشر واشاعت کا بہترین پلیٹ فارم ہیں، وہیں پر یہ فلاحی، اصلاحی اور تعلیمی مراکز بھی ہیں جہاں تشنگان علم وحکمت کو سیراب اور بامراد کیا جاتا ہے۔

یہ بات بھی بالکل درست ہے کہ دین اسلام اور عقیدہ توحید ورسالت کی حفاظت وصیانت تعلیمات دینیہ پر منحصر ہے۔ جس قوم میں دینی تعلیم اور اسلامی تربیت کا نظام اہل دین ودانش کے زیر نگرانی چلتا ہے، وہ قوم اپنے دین وایمان کے معاملے میں نہ صرف راسخ اور متصلّب ہوتی ہے بلکہ اس کے اندر اخلاص اور للّٰہیت کی خوشبو بھی بدرجہ اتم محسوس کی جاسکتی ہے۔ یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ ایمانیات، عبادات، معاشرت، معاملات اور اخلاقیات وسماجیات الغرض زندگی کے کسی بھی شعبے کو اسلامی تعلیمات ونقوش کے بغیر گزارنا ناممکن ہے۔ علاوہ ازیں اس کے بغیر نہ ہم اپنی زندگی کا نظام باقی رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی سماجی اور معاشرتی ترقی کی طرف کوئی مثبت قدم بڑھانے میں کامیاب ہوسکتے ہیں، گویا ہم سب کی کامیابی اس کی بقا وتحفظ میں مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو امت مقروء بنایا ہے۔ ہم کو پہلا سبق اللہ جل مجدہ الکریم نے اپنے محبوب ﷺ کی زبانی اقرأ سے دیا، جس سے تعلیم کی اہمیت وضرورت کا اندازہ ہوتا ہے۔ قرآن پاک اور حدیث مبارکہ میں متعدّد مقامات پر علم کے سیکھنے اور اسے فروغ دینے کے متعلق احکامات موجود ہیں، جن میں سے میں یہاں چند کا تذکرہ کرنا بجا سمجھتا ہوں تاکہ اس مختصر تحریر کو بابرکت اور مدلل بنا سکوں۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے:

ترجمہ: پڑھیے! اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا اس نے انسان کو ایک خون کے لوتھڑے سے۔ پڑھیے! آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم کے ذریعہ۔ اس نے انسان کو ہر اس چیز کا علم دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (العلق)

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جن کو علم عطا ہوا ہے، اللہ ان کے درجات بلند فرمائے گا اور جو عمل کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ (المجادلہ)

ترجمہ: اے میرے رب! مجھے علم میں زیادتی نصیب فرما! (سورہ طٰہٰ)

دوسری جگہ عالم کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے یوں بیان فرماتا ہے:

اے نبی ﷺ آپ فرما دیجیے! کہ علم رکھنے والے (عالم) اور علم نہ رکھنے والے (جاہل) برابر نہیں ہوسکتے ہیں۔ نصیحت تو وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ (سورۃ الزمر)

حدیث پاک میں پیغمبر اسلام ﷺ نے ہر مسلمان پر علم سیکھنے کو فرض قرار دیا ہے اور علم دین حاصل کرنے والوں اور پڑھانے والوں کو سب سے بہترین گروہ بتایا ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

علم دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (ابن ماجہ)

دوسری حدیث میں ہے:

جو بچہ علم دین حاصل کرنے کی خاطر گھر سے باہر نکلا وہ گھر لوٹنے تک اللہ کے راستے میں ہے۔ (ترمذی)

حدیث میں ہے: اللہ جس شخص سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ (بخاری)

ترجمہ: تم میں سے سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کا علم سیکھے اور پھر اسے دوسروں کو سکھائے۔ (بخاری)

متذکرہ قرآنی آیات اور احادیث سے جہاں علم دین کی اہمیت وضرورت آشکار ہوتی ہے وہیں پر علم دین سیکھنے اور سکھانے والوں کو شدت کے ساتھ ابھارا گیا ہے اور تعلیم وتعلم کا فریضہ انجام دینے والوں کو خیر امت کہا گیا ہے۔ کیوں کہ علم دین ہی سے احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے، اسی سے رب کائنات کی معرفت اور رسول ونبی کی رسالت ونبوت کی پہچان ہوتی ہے، اسی کے ذریعہ صحابہ کرام کی عظمت کا جام پلایا جاتا ہے اور اسی سے بزرگوں کا ادب واحترام

اور چھوٹوں پر شفقت کرنے کا سبق ملتا ہے۔

لٰہذا اخیر میں اہل اسلام کو ان کی عظیم ذمہ داری کا احساس دلانا چاہتا ہوں کہ برائے کرم! دینی مدارس کی ضرورت و اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی طرف توجہ فرمائیں، اور اسلام کی نشر و اشاعت میں ہر طریقے سے حتی المقدور شریک و سہیم بنیں۔ان گزارشات سے ساتھ مدارس کے منتظمین، اساتذہ اور طلبہ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ صرف اور صرف ضرورت مند طلبہ ہی کو زکات وعطیات سے تعلیم اور دیگر سہولیات فراہم کرائیں۔مال دار اور زکات دینے والے والدین کے بچوں کے استعمال میں ہرگز ہرگز زکات کے پیسوں کو نہ لائیں۔کیوں کہ وہ محض مدرسوں میں پڑھنے کی وجہ سے اس کے مستحق نہیں ہیں۔ایسے بچوں کی نشان دہی کرکے ان سے فیس کا مطالبہ کریں اور انہی کے پیسوں سے ان کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کریں۔ ناظمین حضرات کسی قسم کے احساس کمتری کا شکار نہ ہوں اور نہ ہی کسی منفی خیال کو خاطر میں لائیں۔کسی طرح کی مایوسی کو قریب نہ پھٹکنے دیں۔پورے اعتماد اور حوصلے کے ساتھ قادر مطلق کی ذات پر بھروسا رکھیں۔یقیناً ہر سختی کے بعد آسانی ہے۔☆☆☆

مدارسِ اسلامیہ: دین کی بقا کے ضامن اور مسلمانوں کے ایمان کے محافظ

حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی

اللہ رب العزت کی عطا کردہ نعمتوں میں سے علم ایک عظیم نعمت ہے جس کی اہمیت و افادیت سے کسی کو انکار نہیں لیکن اس کو حاصل کرنے میں جن مصائب و آلام کا سامنا اور دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے اسے وہی جانتے ہیں جن کے قدم اس راہ میں پڑے ہوں۔العلم نور علم ایک نور ہے۔علم قیمتی موتی ہے۔علم ایک ایسی دولت ہے جس کے حاصل کرنے کے بعد انسان خود کو دوسرے انسان سے قدآور محسوس کرتا ہے۔جس قوم و ملت کی بنیاد اقرا باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق (القرآن، سورہ علق آیت:2،1) ترجمہ: پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے سب کو پیدا کیا۔

اور فرمایا گیا: طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

(مشکوٰۃ ص34)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وقل رب زدنی علما۔اور تم عرض کرو اے میرے رب! مجھے علم زیادہ دے۔(القرآن سورہ طٰہٰ، آیت114)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے علم کی فضیلت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔اس لیے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم کے علاوہ کسی دوسری چیز کی زیادتی کے طلب کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔(فتح الباری شرح بخاری، ج اول، ص:130)

اور ہدایت دی گئی: اطلب العلم لو کان بالصین کہ علم حاصل کرنے کے لیے ملک چین جانا پڑے تو جاؤ۔ افسوس! آج کے اس پرفتن دور میں وہی قوم سماجی، اخلاقی و تعلیمی اعتبار سے تنزلی کی طرف جا چکی ہے۔اہم مسئلہ یہ ہے کہ دینی اور دنیوی تعلیم کا رجحان ملت اسلامیہ کے بچوں، نوجوانوں میں کس طرح قائم کیا جائے اور برقرار رکھا جائے۔ یہ تمام اہلِ علم کی ذمہ داری ہے۔ مدارس اسلامیہ احیاے علوم الدین کے مراکز ہیں، مدارسِ اسلامیہ کی بقا میں دین اسلام کی بقا ہے۔ اگر مدارسِ اسلامیہ ختم ہوجائیں گے تو دین بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ تعلیم کا موضوع (Topic) اسلام میں انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔

حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: العلم خیر من العبادة علم عبادت سے بہتر ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: العلم حیاة الاسلام وعمادالدین علم اسلام کی زندگی اور دین کا کھمبا ہے۔(کنزالعمال، ج۔10، ص:76)

انسان علم دین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ علم کا حاصل کرنا علم کو دوسروں تک پہنچانا بغیر کسی معاوضہ کے افضل قرار پایا۔ دینی تعلیم ہی ایک ایسی تعلیم ہے جو انسان کو انسان بناتی ہے۔ اس سے فرد اور جماعت کو ترقی کا وسیلہ ملتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں تعلیم ہی اقوامِ ملت کی ترقی کا سبب ہے۔ مدارسِ اسلامیہ کا قیام اور ان کا وجود وقت کی کتنی اہم اور شدید ضرورت ہے، محتاجِ بیان نہیں۔ خصوصاً اس لادینی الحادی دور میں جب کہ ملک کے فرقہ پرست اور متعصب لوگ مدارسِ اسلامیہ اور مساجد کے خلاف ایک عالم گیر تحریک چلائے ہوئے ہیں جن کے افکار و کردار سے بغاوتِ اسلام اور مسلم دشمنی کی بو نہیں چنگاری نکل رہی ہے۔ ملک میں مدارس دینیہ کا قیام اور ان کا وجود نہایت ضروری ہوجاتا ہے تاکہ ان اسلامی قلعوں میں شب و روز قال اللہ تعالیٰ و قال

رسول اللہ ﷺ کی صدائیں بلند ہوں اور یہ ادارے اپنی تربیت میں ایسے افراد تیار کریں جو کفر و شرک، الحاد، بے دینی، بدعقیدگی اور اسلام دشمنی کی تحریک چلانے والوں کا مردانہ وار مقابلہ کریں۔

جب سے مرکز میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت بنی ہے، اس کے بعد سے مدارس، مساجد اور مسلمانوں کے کردار کو مسخ کیا جا رہا ہے اور اسلامی تشخص کو ختم کرنے کی مہم میں زبردست شدت آئی ہوئی ہے۔ فرقہ پرست لیڈروں کے اشتعال انگیز بیانات نے مدرسوں کے وجود کے لیے خطرہ پیدا کر دیا ہے۔

کہا جا رہا ہے کہ مدرسوں کا وجود ملک کی سالمیت کے لیے بڑا خطرہ ہے۔ وہاں دہشت گردوں کو پناہ دی جاتی ہے اور ان کے تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ مزید یہ ان جگہوں میں جہاد کے لیے ذہن سازی کی جاتی ہے اور ماحول تیار کیا جاتا ہے۔ لیکن ان جھوٹے اور شرم ناک الزامات کے ٹھوس ثبوت تو کیا جزوی ثبوت بھی پیش نہیں کیے گئے۔ (اور ان شاء اللہ قیامت تک نہ پیش کر سکیں گے) اس کے باوجود مختلف ذرائع ابلاغ، پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا سے مدرسوں کے خلاف شر انگیز مہم مسلسل جاری ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آزاد ہندوستان میں ان ہی مدارسِ اسلامیہ اور علمائے کرام کا کردار نمایاں تھا۔ ملک کو آزاد کرانے والے ان ہی مدارس کے پروردہ تھے۔ 1857ء میں انگریزوں نے ہندوستان سے اسلام کو نیست و نابود کرنے کا بگل بجا دیا تھا۔ ہزاروں علما تختہ دار پر چڑھائے گئے تھے۔

دشمنانِ اسلام اس راز سے واقف ہیں کہ جب تک یہ سیدھا سادہ بوریہ پر بیٹھنے والا مولوی اس معاشرے میں موجود ہے، مسلمانوں کے دلوں سے ایمان نکالا اور کھرچا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا دشمنانِ اسلام نے اس کے خلاف پروپیگنڈہ پھیلا دیا ہے اور پوری مشینری لگائے ہوئے ہیں۔ مدارسِ اسلامیہ دین کے مضبوط قلعے ہیں۔ ہندوستان میں جو دینی تعلیم، دینی ماحول اور دینی فضا نظر آرہی ہے یہ ان ہی مدارس کی دین ہے۔ ان کی قدر کرنی چاہئے اور ان پر کسی طرح سے کوئی آنچ آئے تو مسلمانوں کو تڑپ جانا چاہئے۔ یہی مسلمانوں کی غیرت دینی کا تقاضا بھی ہے۔

ملک کی موجودہ صورتحال، مدارسِ اسلامیہ اور علما کی ذمہ داریاں:

ظاہر سی بات ہے علما جب وارثِ انبیا ہیں اور ان کو علم و حکمت سے نوازا گیا تو ان کی بھی ذمہ داریاں ہیں۔ دعوتِ اسلام دینے والے علمائے کرام اور داعیانِ حق کے سبھی ذمہ داروں کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ لوگوں خصوصًا طلبہ کے مسائل و مشکلات پر توجہ دیں۔ حتی المقدور ان کی مدد کریں، مظلوموں کی حمایت مصیبت زدگان کی اعانت اور مریضوں کا علاج سب کچھ کرنا ہوگا۔ اسی طرح کے کام کرنے سے مدارسِ اسلامیہ اور دعوتِ دین کے کام کو فائدہ پہنچے گا۔ یہ وہ کام ہیں جسے نبیوں، رسولوں نے بھی کیا ہے۔

ہر اہلِ ایمان کو اور خاص کر علم و حکمت سے نوازے جانے والے علمائے حق کو ملک کی موجودہ صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں سے غفلت نہیں تو کم از کم تساہلی اور کاہلی قطعی نہ برتیں ورنہ بارگاہ رب ذوالجلال میں جواب دہی کے لیے بھی تیار رہیں۔ اسلام دشمنوں کی دشمنی اور حکومت کی بے توجہی کا شکوہ کر کے مسلمانوں کی تعلیمی بدحالی کا علاج نہیں کر سکتے۔ الحمد للہ، آج بھی اکثر عوام علما کے زیر اثر ہیں۔ عوامی بیداری اور عوام کی صحیح رہنمائی کے ساتھ ساتھ خود بھی میدان عمل میں کودنا نہیں دوڑنا پڑے گا۔

اساتذہ کرام کو طلبہ کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ قوم کے ہم سے کیا مطالبات ہیں؟ عوام ہمیں کس رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں؟ مسلم قوم کو ہم سے کیا توقعات وابستہ ہیں؟ مدارس سے فارغ ہو کر ہمیں قوم کا رہنما، راہبر بننا ہے۔ ہمیں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ حالات زمانہ کا رخ پھیرنے کے لیے کیا کیا تیاریاں کرنی ہیں۔

طلبہ کو مدارس کی تاریخ بتائیں۔ انہیں سمجھائیں کہ شاندار ماضی کی طرح تابناک مستقبل کی تعمیر کے لیے کیا ضروری ہے اور کس سے بچنا ہے۔ طلبہ میں یہ جذبہ ابھارنا کہ وہ اپنے علم پر خود بھی عمل کریں اور اسے دوسروں تک پہنچائیں۔ بچوں اور طلبہ کی صحیح تعلیم و تربیت ایک اہم دینی فریضہ ہے۔ اس کی ادائیگی کی پوری فکر ہونی چاہیے ورنہ سخت گرفت کا اندیشہ ہے۔

اس ذمہ داری میں والدین اور اساتذہ کے ساتھ پوری ملت، معاشرہ بھی شریک لیکن براہ راست ذمہ داری والدین اور اساتذہ پر عائد ہوتی ہے۔ اس لیے ان ہی لوگوں کو اس ضمن میں سب سے زیادہ فکر مند ہونا چاہیے۔ خصوصًا آج کے حالات میں تو اس طرف زبردست توجہ دینے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ معمولی کوتاہی غفلت نہایت خطرناک نتائج سے دوچار کر سکتی ہے۔ ملت کی ضرورت کے اعتبار سے جو کچھ ہو رہا ہے وہ بہت کم ہے۔ تمام اہلِ علم ذمہ دار لوگ اور انجمنیں، ادارے ہر کوئی اپنی کوشش جاری رکھیں تاکہ اسلامی مراکز سے مردِ مومن کی صفات کے حامل افراد تیار ہو کر نکل سکیں۔

مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل صرف تعلیم میں ہے۔ آرٹیکل 301 میں کہا گیا ہے کہ ہر اقلیت چاہے وہ مذہبی یا لسانی ہو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق تعلیمی ادارے قائم کرے اور چلائے۔ تعلیم ہی بے یار و مددگار مسلم قوم کے لیے نسخہ کیمیا ہے اور اس کی بھی ذمہ داریاں قائدین اور علمائے کرام پر ہے۔ اللہ ہم تمام لوگوں کو اپنی ذمہ داری لینے اور نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین!! ☆☆☆☆

تعارف وتجزیہ

علامہ محمد احمد مصباحی: احوال وافکار

توفیق احسن برکاتی کی معرکہ آرا تحقیقی تصنیف

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی

مفتی محمد توفیق احسؔن برکاتی مصباحی سنی علما میں ایک جواں سال زود گو نثر نگار، مایۂ ناز ادیب، بلند پایہ شاعر، محقق عالم دین، بے لوث معلم اور بہترین مفتی کی حیثیت سے معروف ہیں۔ آپ کا تعلق علم وادب کی سرزمین اعظم گڑھ کے ایک گاؤں سے ہے جو فی الوقت ضلع امبیڈکر نگر میں واقع ہے۔ درس نظامی کی تکمیل جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں ہوئی اور اسی جامعہ سے تحقیق فی الفقہ کا کورس بھی کیا اور عربی فارسی بورڈ، لکھنؤ کے عالم تا فاضل امتحانات بھی اعلیٰ نمبروں سے پاس کیے ہیں۔ فی الحال آپ اپنے مادر علمی باغِ فردوس ”جامعہ اشرفیہ“ میں تدریسی خدمات پر مامور ہیں۔ آپ کا موے قلم زمانۂ طالبِ علمی ہی سے نثر و نظم دونوں میدانوں میں گل بوٹے کھلا رہا ہے۔ مختصر مدت میں آپ نے دنیاے علم کو کئی بیش بہا کتب و رسائل کا تحفہ پیش کیا ہے۔ ہندو پاک کے مختلف ماہ ناموں اور اخباروں میں آپ کے تحقیقی مقالات اور کتب و رسائل پر تبصرے مسلسل شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کے لیے یہ بات بڑے اعزاز کی ہے کہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی جانب سے آپ کو عرسِ قاسمی منعقدہ 2016ء میں ”نشانِ سید العلماء“ جیسے گراں قدر ایوارڈ سے نوازا جا چکا ہے۔ کبھی کبھار آپ کے قلم کی چلت پھرت پر رشک آنے لگتا ہے، دعا ہے کہ رب کریم انھیں نظر بد سے بچائے، آمین!

وہ قومیں ہمیشہ زندہ و تابندہ رہتی ہیں جو اپنے محسنوں کو فراموش نہیں کرتی۔ بدقسمتی سے آج ہماری قوم ایک مردہ پرست قوم بنتی جا رہی ہے۔ زندوں سے زیادہ وفات یافتگان کی اہمیت بڑھتی جا رہی ہے۔ ذی علم اور ذی شعور علما و مشائخ جب تک بقید حیات ہوتے ہیں مسلسل ناقدری کا شکار رہتے ہیں [الا ماشاء اللہ] اور وہی جب وفات پا جاتے ہیں تو لوگ اپنے اپنے تعلقات شمار کرنا شروع کر دیتے ہیں جب کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ ایسی علمی شخصیات کی حیات ہی میں ان کی ہمہ جہت خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کیا جائے اور ان کی ہشت پہلو شخصیت سے قوم کو متعارف کرایا جائے۔ اپنے اسلاف اور محسنوں کو فراموش کرنے کی اس روش نے ہمیں ہر میدان میں تنزلی کا سامنا کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ایسے ناقدری کے اس دورِ زیاں میں بھی کچھ ایسے جیالے اور متوالے موجود ہیں جو اسلاف شناسی کے جوہر دکھانے میں مسلسل مصروف ہیں اور اپنے محسنوں پر کچھ نہ کچھ تحقیقی و تصنیفی کام کرتے رہتے ہیں جن کا وجود کسی نعمت سے کم نہیں۔ ان میں مفتی توفیق احسؔن برکاتی کو میں نمایاں مقام پر دیکھتا ہوں۔

اس وقت میرے مطالعے کی میز پر آپ کی تاریخ ساز تحقیقی تصنیف ”علامہ محمد احمد مصباحی: احوال وافکار“ سجی ہوئی ہے۔ جو کہ صحیح معنوں میں سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے ممتاز عالم دین علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کی حیات و خدمات پر مشتمل ایک منی انسائیکلو پیڈیا سے کم نہیں۔ 560 صفحات پر پھیلا ہوا قبالہ ”علامہ محمد احمد مصباحی: احوال و افکار“ 5/ابواب پر مشتمل ہے۔ جس میں 100/سے زائد کتب و رسائل اور اخبارات و جرائد سے مصنف نے استفادہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں ملک و بیرون ملک کے متعدد علما اور اہل قلم حضرات سے بھی رابطہ کرتے ہوئے اپنی اس اہم کتاب کو استناد کا درجہ دلانے کی مکمل سعی کی ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے تحقیق کے جدید ترین اصولوں کی مکمل طور پر پاسداری کی ہے۔ یہ کتاب جماعت رضاے مصطفیٰ، برطانیہ کی جانب سے جمادی الاخریٰ 1442ھ/فروری 2021ء میں منظر عام پر آئی ہے۔

سوانح نگاری تحقیق کی ذیلی شاخ اور مستقل ایک ادبی صنف

ہے۔ بہ قول توفیق احسن برکاتی:

"سوانح عمری میں مختلف حقائق کسی ایک مرکزی شخصیت کے تناظر میں بیان ہوتے ہیں اور پیرایۂ بیان خالص ادبی و تحقیقی ہوتا ہے۔ عمدہ سوانح عمری کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ صاحبِ سوانح کے تمام پہلوؤں سے متعلق معلومات میں اضافہ کرے۔

زیرِ نظر سوانح سے متعلق راقم الحروف از خود کوئی رائے قائم نہیں کرتا کہ یہ فنِ سوانح نگاری کے بنیادی عناصر اور مسلمہ اصولوں کے خانے میں بالکل فٹ بیٹھتی ہے یا نہیں؟ نہ ہی یہ دعویٰ ہے کہ اس میں صاحبِ سوانح کے تمام احوال درج ہوگئے ہیں۔ یہ ایک زندہ انسان کا "زندگی نامہ" ہے جو ابھی علم و تحقیق کے مختلف جہانوں کی تلاش میں لگا ہوا ہے۔ ایسا باکمال اور یگانۂ روزگار عالم و محقق جس کی ذات میں ہمہ رنگ حقائق کا ایک نگارخانہ موجود ہے، جہاں علم و ادب کا اجالا اور فکر و تدبر کی چاندنی رقصاں ہے۔" (ص 19/18)

یہ بظاہر توفیق احسن برکاتی کا عجز ہی قرار دیا جاسکتا ہے کہ وہ ایسی گراں مایہ تحقیقی سوانح عمری کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ "یہ فنِ سوانح نگاری کے بنیادی عناصر اور مسلمہ اصولوں کے خانے میں بالکل فٹ بیٹھتی ہے یا نہیں؟" زیرِ نظر کتاب کے بالاستیعاب مطالعے کے بعد یہ کہنے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ یہ کتاب اپنے موضوع اور مواد کے لحاظ سے بالکل سوانح نگاری کے بنیادی عناصر اور مسلمہ اصولوں پر مبنی ہے بلکہ یہ معرکہ آرا تحقیق کسی پی ایچ ڈی مقالے سے کم نہیں۔ بلکہ فی زمانہ لکھے جانے والے سطحی انداز کے پی ایچ ڈی مقالات کی بھیڑ میں یہ تصنیف کئی اعتبار سے اہمیت کی حامل دکھائی دیتی ہے۔

98 صفحات پر مشتمل باب اول جامعہ اشرفیہ کے علمی و ادبی ماحول کا احاطہ کرتا ہے۔ چوں کہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور علامہ محمد احمد مصباحی کی شخصیت کا نمایاں ترین شناخت نامہ بن گیا ہے بلکہ اگر یہ بھی کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا کہ دونوں ایک سکے کے دو رخ بن گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فاضل مصنف نے اپنی کتاب "علامہ محمد احمد مصباحی: احوال و افکار" میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی ہمہ جہت علمی اور ادبی خدمات کا شرح و بسط سے جائزہ لینا ضروری محسوس کیا۔ بہ قول علامہ محمد احمد مصباحی:

"جامعہ اشرفیہ کی خدمات کا موضوع ایک مستقل مضمون بلکہ ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے اس لیے یہ کام کسی جواں سال عزیز کے لیے چھوڑتا ہوں۔ خدا نے چاہا تو کوئی فرزند اس موضوع کو اپنے شاداب قلم سے سیراب کرکے دنیا کی نگاہوں کو آسودہ کرے گا۔"

(نوائے دل: مجموعۂ خطبات، مرتبہ مولانا جنید احمد مصباحی، ص 126)

حضرت کی اس فکر انگیز تحریر سے تحریک پاکر اشرفیہ کے "جواں سال لائق و فائق فرزند" توفیق احسن برکاتی کے "شاداب قلم" نے یہ سعادت حاصل کی اور وہ جامعہ اشرفیہ کی علمی و ادبی، تعلیمی و درسی، فقہی و تصنیفی تاریخ کا اجمالی منظر نامہ بیان کرکے "دنیا کی نگاہوں کو آسودہ" کررہے ہیں۔ نیز انھیں یہ عزم بھی ہے کہ "ان شاء اللہ جلد ہی ایک بسیط علمی و ادبی تاریخ سپردِ قلم کی جائے گی جو مادرِ علمی کو خراجِ محبت پیش کرے گی۔" (ص 20)

کتاب کے باب اول پر مفتی خالد ایوب شیرانی مصباحی، جے پور نے جو تاثرات پیش کیے ہیں انھیں اس مقام پر نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں یہی میرے دل کی بھی آوازیں ہیں:

"برکاتی صاحب کے زر نگار قلم نے تحریک اشرفیہ کی مسلسل تاریخ کو ان سو صفحات میں کچھ اس انداز سے سمیٹا ہے کہ محسوس ہوتا ہے جیسے ہم سن 2021ء میں نہیں بلکہ جلالۃ العلم حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے ساتھ مبارک پور میں وارد ہو رہے ہیں اور سایہ بن کر ہمہ دم ساتھ چل رہے ہیں۔ تعمیری، تدریسی، ترقیاتی اور عملی طور پر کب کب کیا کیا ہوتا ہے، کون کون اس چمنستان علم کو اپنے خون جگر سے سینچتا ہے، کس کی محنتیں کتنی بار آور ہوتی ہیں۔ پھر کس طرح یہاں متلاشیان علم کے قافلے اترتے ہیں اور ہر سال کس طرح یہ باغ فردوس قوم کی خالی امانتوں کو علم و فن کا جامہ پہنا کر لوٹاتا ہے اور پھر اس باغ عزیزی کی بہاریں کس طرح عالم اسلام کی علمی، فکری، تدریسی، تحقیقی، دعوتی اور تحریکی فضاؤں کو معطر کرتی ہیں؟ مکمل تاریخ اور پوری تفصیل کو موصوف نے کچھ اس طرح نچوڑ ڈالا ہے کہ شاید اس گلستاں کے در و دیوار کو صبح و شام چھونے والوں کے لیے بھی بہت ساری چیزیں نئی ہوں۔ دراصل کتاب کے ایک باب کی حیثیت رکھنے والا یہ حصہ بجائے خود ایک مکمل تاریخ ہے، جو کسی بھی مؤرخ اشرفیہ کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھے گا۔" (واٹس ایپ پر موصولہ تبصرے از مفتی خالد ایوب مصباحی سے مقتبس، مشاہد)

باب دوم مصنف نے "صدر العلماء: احوال و آثار" کو عنوان بنا کر قلم بند کیا ہے جو کہ اپنے موضوع کے لحاظ سے کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اس باب میں فاضل محقق نے کافی گہرائی و گیرائی سے اپنے موقف کو بیان کیا ہے۔ اس باب کے مطالعہ سے مصنف کی دقتِ نظر اور وسعتِ مطالعہ کا وصف صاف جھلکتا محسوس ہوتا ہے۔ یہی وہ باب ہے جسے اس کتاب کا "عطر مجموعہ" کہا جا سکتا ہے۔ نصف صدی پر محیط حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ کی علمی حیات کا یہ نقشِ جمیل 160 / صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں 50 / ذیلی عناوین کے تحت علامہ محمد احمد مصباحی کے مفصل احوالِ زیست بیان کیے گئے ہیں اور ان کی علمی و ادبی حیثیت متعیّن کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے یہاں جو بھی حقائق ہیں مصنف نے غیر جانبدار رہ کر دیانت کی میزان پر جانچنے پرکھنے کے بعد اپنے زر نگار قلم سے خوانِ مطالعہ پر سجایا ہے، نہ مبالغہ آرائی ہے نہ اظہارِ حقیقت سے گریز بلکہ بہ قول مصنف :"کہیں کہیں حقیقت بھی اس لیے بیان نہیں کی گئی ہے تا کہ لوگ اسے مبالغہ نہ سمجھ لیں۔" (ص20)

اس باب میں تراشے گئے ضمنی عناوین میں سے چند ایک کچھ اس طرح ہیں:

علمی اسناد/علمی شجرہ/طریقۂ تدریس/تکریم نامے/مناصب اور اعزازی ذمہ داریاں/اشرفیہ کے نظامِ تعلیم کی ذمہ داری/مجلس برکات کی نگرانی/ذوقِ تحریر/تبحر علمی/علوم و فنون کی جامعیت/لسانی شعور/نثر نگاری/اسلوبِ تحریر/اختصار نویسی/ترجمہ نگاری/فروغ رضویات/ افکارِ تصوف/ تاریخ گوئی/ مکتوب نگاری/ دین کا درد/ قلم کاروں کی حوصلہ افزائی/ معاملات میں شفافیت/ وقت کی پابندی/ زبان کی حفاظت/ شانِ استغنا و توکل/ بذلہ سنجی و خوش ذوقی/ نمازِ باجماعت کی پابندی وغیرہ۔

توفیق احسؔن برکاتی کے مرقع نگار قلم نے مصباحی صاحب کا سراپا بیان کرتے ہوئے جو قلمی تصویر کشی کی ہے وہ دیدنی بھی ہے اور شنیدنی بھی، یہاں تصویریت کا حُسن اور منظرکشی کا جمال نہایت متاثر کن ہے، لکھتے ہیں:

"یہ ہیں صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی - بول چال میں عالمانہ وقار اور محققانہ جمال - کردار میں اخلاق نبوی کی دل کشی - معاملات میں شفافیت - دنیا داری سے دامن کش اور دین داری میں طاق - فکر دنیا سے بے نیاز اور اخروی حساب و کتاب کے لیے فکر مند - ضعیفی میں بھی جوانوں کی طرح محنت کش - چھوٹوں پر مہربان، بڑوں کے عزت دار - باکمال مرد حق آگاہ، لیکن ظاہری وضع میں عام انسان - اندرون میں سمندر اور بیرون میں چشمۂ زم زم - باطن صاف ستھرا اور ظاہر اس کا عکس جمیل - بے نام تصوف کا مرکز انوار - خاموشی میں تکلم اور تفکر میں گویائی - ذات بحر ذخار اور بات تہ نشیں موج - قلم چلے تو موتی ٹپکے - بیان کریں تو علم و آگہی کی سبک خرام ندی کا احساس ہو - سب سے بڑی بات ایک اچھے انسان، کامل مومن، اطاعت گزار فرزند، مشفق باپ، مخلص منتظم، علم و ادب کے شائق اور دین کے سچے خادم۔" (ص:125)

حضرت صدر العلماء اخلاق و کردار کی بلند منزل پر فائز ہیں آپ کی عادات و اطوار میں بڑی شفافیت موجود ہے۔ فطرتاً مثبت تعمیری امور اور مفید علمی مشاغل کی طرف رغبت رکھتے ہیں اور ان تمام کاموں میں غیر معمولی توانائی اور عزمِ محکم کی تصویر نظر آتے ہیں۔ توفیق احسؔن برکاتی نے اس باب میں آپ کے اوصافِ حمیدہ، خصائلِ جمیلہ، عادات و اطوار، خلوص و ایثار، امانت و دیانت وغیرہ کا تفصیلی بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں معاصرین کی رائیں بھی یکجا کی ہیں۔ حضرت صدر العلماء کے اخلاقِ حمیدہ سے متعلق مفتی احمد القادری مصباحی [امریکہ] کا یہ تاثر گرامی ملاحظہ فرمائیں جو مجموعی طور پر آپ کے اخلاقِ حمیدہ اور سیرت کی مجسم لفظی تصویر کشی ہے:

"دورانِ تعلیم مجھے آپ کے اوصافِ حمیدہ اور خصائلِ جمیلہ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ خلوص و ایثار، جود و کرم، امانت و دیانت، تقویٰ و پرہیز گاری، احساس ذمہ داری، بے لوثی، خود اعتمادی و خود داری، عہد و پیمان میں پختگی، اوقات و جماعت کی پابندی، اوراد و وظائف اور سنن و نوافل پر استقامت، کاموں میں سرعت، تحریر میں فصاحت، زبان و بیان میں بلاغت، تقریر میں اختصار و جامعیت، ہر علم و فن میں مہارت، مسائل میں باریک بینی و نکتہ سنجی، معانی میں گہرائی و گیرائی، ظاہر و باطن میں یکسانیت، دین داروں سے محبت، بے دینوں سے نفرت، بد مذہبوں سے اجتناب، بزرگوں کا احترام، اکابرین کا ادب، اصاغرین پر شفقت، مقدمات کے فیصلے میں دور بینی، ہمت و

شجاعت، حق گوئی و بے باکی، رعب و دبدبہ، عالمانہ وقار، نظم ونسق میں کمال، افہام وتفہیم کا ملکہ، بے لوث خدمات کا جذبہ اور اعمال وکردار کے اعلیٰ نمونے جو یہاں دیکھے، کم دیکھنے میں آئے۔ آپ کے بہت سے قیمتی افادات ذہن کے خانوں میں منتشر ہیں۔ کاش! انھیں یکجا صفحاتِ قرطاس پر منتقل کرنے کی توفیق میسر آتی۔" (ص360/361)

مصنف نے صدرالعلماء کی سب رنگ شخصیت کے مختلف النوع گوشوں کو اُجالنے کی بھرپور اور کامیاب کوشش کی ہے اور بے طرح کامیاب بھی رہے ہیں۔ علامہ محمد احمد مصباحی صاحب کی نثری خوبیوں کو اُجالتا ہوا راقم تبصرہ نگار کا ایک اقتباس بھی توفیق احسؔن برکاتی نے اس باب کی زینت بنایا ہے، نشانِ خاطر کریں:

"علامہ محمد احمد مصباحی کے موے قلم سے نکلی ہوئی تحریریں اردو کے نثری اثاثے میں گراں قدر اضافے سے کم نہیں۔ آپ کا طرزِ تحریر بڑا عمدہ، شگفتہ، سلیس، رواں دواں اور ادبی حسن و جمال سے مملو ہے۔ آپ ایک صاحبِ طرز ادیب ہیں۔ آپ کا اسلوب منفرد ہے۔ بیان کی سادگی، برجستگی، پختگی اور توضیح آپ کی نثر کا خاص وصف ہے، تصنع اور بناوٹ ان کے یہاں نام کو بھی نہیں ہے، وہ کوئی مضمون تکلف سے نہیں لکھتے، پیچیدگی کا ان کے یہاں گزر نہیں۔ ابہام انھیں پسند نہیں۔ ہر جگہ وضاحت وصراحت نمایاں ہے۔ سیدھے سادے جملے، سیدھے سادے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان کے باوجود ان کی نثر غیر معیاری نہیں ہے بلکہ ہر جگہ معیاری لب ولہجہ اور مستند زبان و بیان کی پاسداری ملتی ہے اور یہ چیز ان کے وسعتِ مطالعہ کا پتا دیتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ محمد احمد مصباحی کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ ان کی نثر میں سادگی کے ساتھ پُرکاری بھی ہے۔ ان کی تحریروں کی زیریں رَو میں ادبی جمالیات کا ایک لہریں لیتا دریا رواں دواں ہے جو اہلِ ذوق کو سرشار کرتا چلتا ہے۔ قرآنی آیات، تفاسیر، احادیثِ کریمہ، سیرتِ طیبہ تاریخ کے حوالوں سے آراستہ تحریریں بھی ایسی تازہ کاری اور ادبی علو سے ہم رشتہ ہیں کہ قاری کو بوجھل پن محسوس نہیں ہوتا۔ روزمرہ اور محاورات کا برجستہ استعمال کرتے ہوئے اجمال میں تفصیل کا ابلاغ بھی آپ کی نثر کی بہت بڑی خوبی ہے۔" (ص247)

اس باب میں طلبہ واساتذہ نیز مختلف شخصیات سے ملاقات کے دوران ہونے والی گفتگو میں مصباحی صاحب کی حاضر جوابی اور بذلہ سنجی کے کچھ ایسے واقعات بھی ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں جو شادابگی اور شگفتگی کا احساس دلاتے ہیں۔ توفیق احسؔن برکاتی نے اس باب میں بڑی عرق ریزی، جاں فشانی اور محنت صرف کی ہے نتیجے کے طور پر کامیابی نے ان کے قدم چومے اور ایسا عمدہ اور بہترین تاریخی کارنامہ انھوں نے انجام دیا جس کے لیے پوری مصباحی برادری کی جانب سے انھیں تمغۂ توصیف تو دیا جانا ہی چاہیے۔

باب سوم میں مصنف نے سنۂ اشاعت کے لحاظ سے علامہ محمد احمد مصباحی کی جملہ مطبوعہ وغیر مطبوعہ 41/ کتابوں اور تراجم و تحقیقات کا اشاریہ سجایا ہے۔ 18/ صفحات پر مبنی اس باب میں توفیق احسؔن برکاتی کے موے قلم نے اپنے ممدوح کی کتابوں کا بہترین انداز میں پُرمغز جامع مگر اجمالی تعارف بھی لکھ دیا ہے جس سے علامہ محمد احمد مصباحی کی تصنیفات کے معنوی حسن کا ایک زرین آئینہ قارئین کو نظر آجاتا ہے۔

باب چہارم میں مصنف نے ماقبل باب میں پیش کیے تصنیفات کے اشاریے سے 15/ منتخب کتابوں کا بالتفصیل جائزہ لیا ہے اس میں ہر کتاب کی علمی و ادبی حیثیت، اس کے مندرجات کا تعارف اور اس پر اہل علم کی آراسب کو صاف ستھری، دلکش اور شستہ زبان میں بڑی سلیقہ مندی اور حُسنِ ترتیب کے ساتھ یکجا کر دیا ہے۔ 125/ صفحات پر مشتمل یہ باب خالص علمی، ادبی اور فنی حیثیت کا حامل بڑے خاصے کا ہے۔ مصباحی صاحب کی کتابیں موضوع و مواد اور زبان وبیان ہر لحاظ سے لائق تحسین وآفرین اور علم وفن سے آراستہ ومزین ہیں جن کے مطالعے سے عوام وخواص یکساں فائدہ اٹھا سکتے ہیں آپ کی تصنیفی و تالیفی اور تحقیقی و تدریسی خدمات کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ممتاز محقق و مترجم ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی نے کتنی دل لگتی بات کہی ہے:

"علم کی پختگی، وسعتِ مطالعہ، جوہر تحقیق و تصنیف، ملکۂ تنظیم، کردار وعمل کی طہارت یہ ایسے محاسن ہیں، جن سے قدرت نے علامہ مصباحی کو بہرہ ور فرمایا۔" (ص538)

توفیق احسؔن برکاتی کے سیال قلم نے اس باب میں صدر العلما کی 15/ کتابوں کا جس حُسن وخوبی سے تجزیاتی مطالعہ کیا ہے اس کی روشنی میں مصباحی صاحب کے علمی و تحقیقی مزاج، دانش ورانہ افکار اور تعلیمی نظریات کی سمتیں متعیّن کرنے میں مدد مل سکتی ہے اس باب کے مطالعے سے قاری ایسا محسوس کرتا ہے کہ وہ مصباحی صاحب کی علمی مجلس میں شریک ہے اور ان کے جہانِ کتب کی سیر کرتے ہوئے مستفیض ہو رہا ہے۔ (باقی، ص: 23 پر)

احادیث صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف

تبصرہ نگار: توفیق احسن برکاتی

نام کتاب:	احادیث صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف (دو جلدیں)
مصنف:	مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی
ضخامت:	جلد اول 528 صفحات/جلد دوم 424 صفحات
سنہ اشاعت:	شعبان 1442ھ/مارچ 2021ء
ناشر:	مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

یہ انسان کی بڑی نادانی ہے کہ مسلسل فریب خوردگی کے باوجود وہ اپنی آنکھیں نہیں کھولتا اور سچائی سے قریب رہتے ہوئے بھی اس سے دور نظر آتا ہے، لیکن اپنی دانست میں وہ خود کو دانش مند، حقیقت پسند، حق شناس اور دانا و بینا سمجھتا ہے.. گویا وہ ذاتی منافقت کے ایسے خول میں بند ہے جہاں اس کے نفاق، فریب، شکستگی اور بے شعوری کو طاقت ور غذائیں ملتی رہتی ہیں اور وہ خوش رہتا ہے۔ فرقہ وہابیہ غیر مقلدین ان تمہیدی جملوں کا واضح ثبوت ہیں، تقلیدِ ائمہ سے بیزار اور ہزارہا تقلیدی الجھنوں میں گرفتار یہ لوگ دنیا کو یہ باور کراتے ہیں کہ ہم اہل حدیث ہیں اور قرآن و احادیث پر صرف ہم ہی عمل کرتے ہیں اور تمام اصولی و فروعی مسائل و مباحث میں قرآن و حدیث کو اپنا ماخذ و مرجع بناتے ہیں، ائمہ مجتہدین کے استنباط کردہ مسائل میں احادیث کی مخالفت اور قیاسات کا عمل دخل زیادہ ہے، وغیرہ وغیرہ۔

ان کے بلند بانگ دعووں میں اس طرح کی اور بھی بے بنیاد الزامات ہیں جو اہلِ سنت جماعت پر یہ لوگ لگاتے رہے ہیں، جب کسی عمل کی بات آتی ہے تو یہ حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور کتبِ حدیث میں بھی خاص صحیحین (بخاری و مسلم) کا نام لیتے ہیں گویا ان کی نظر میں ان دونوں کے علاوہ تمام کتابیں غیر مستند اور ان میں مندرج احادیث کے علاوہ تمام حدیثیں ناقابل اعتبار ہیں۔ اگر وقتی طور پر بھی غور کر کے صحیحین کے مرتبین امام بخاری و امام مسلم کے احوال پڑھ لیں تو اندازہ ہو جائے کہ یہ حضرات خود مقلد ہیں اور قرآن و حدیث کے ساتھ اجماع و قیاس کو بھی حجت شرعی مانتے ہیں، ساتھ ہی یہ حضرات یہ وضاحت بھی فرماتے ہیں کہ انھوں نے صحیحین میں تمام صحیح احادیث کو نہیں جمع کیا ہے۔ یہ حقائق ان لوگوں کی فریب خوردگی کو نشان زد کرتے ہیں اور بخاری و مسلم پر ان کے عمل کی قلعی کھل جاتی ہے۔

جب سے یہ فرقہ وجود میں آیا اہل سنت کے علما و محققین نے علمی اور تحقیقی انداز میں ان کی تفہیم کی اور ان کی غیر شرعی پالیسیوں کو طشت از بام کیا، موجودہ دور میں جب ان کی فتنہ سامانیوں نے اپنا چہرہ اور انداز بدل دیا تو ضرورت پیش آئی کہ ان کی تفہیم کا طرز بھی بدلا جائے اور عام فہم زبان میں ان کی حقیقت سے انصاف پسند دنیا کو آگاہ کیا جائے تاکہ مسلمان عقائد و معمولات میں ان کے جھانسے میں نہ آئیں اور تقلیدِ ائمہ سے بیزاری میں ان کے ہمنوانہ بنیں۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ تعلیم و تدریس کے ساتھ بحث و تحقیق کے مختلف شعبوں میں مسلسل اپنی فتوحات میں اضافہ کر رہا ہے، درس نظامی کے علاوہ تحقیق فی الفقہ، مشقِ افتا، اختصاص فی الادب اور اختصاص فی الحدیث اس کے ممتاز شعبے ہیں جن میں نصابی کتب کی تدریس بھی ہوتی ہیں اور تحقیق و تنقیح کی عملی تربیت کا بھی نظم ہے۔

ممتاز محقق و مصنف، معروف فقیہ و محدث سراج الفقہا استاذ گرامی حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی دام ظلہ العالی درس و تدریس، بحث و تحقیق اور فتویٰ نویسی کا طویل تجربہ رکھتے ہیں، ان کے قلم حق نگار سے 80/ سے زائد علمی و تحقیقی مضامین و مقالات اور 40/ سے زائد کتابیں معرض وجود میں آچکی ہیں جن کا مطالعہ علم و تحقیق اور تنقید و تنقیح کے نئے در وَا کرتا ہے اور قدیم و جدید مسائل میں علمی و شرعی حل کا اجالا بکھیرتا ہے، موجودہ عہد میں ان کے فتاویٰ اور شرعی

فیصلوں کو قبولِ عام حاصل ہے، درس و تدریس کا بیالیس سالہ تجربہ رکھتے ہیں، ان کی بارگاہ سے اکتساب علم کرنے والے علما و محققین و مفتیانِ کرام کی ایک طویل فہرست ہے، پوری دنیا ان کے علمی فیضان سے مستفیض ہو رہی ہے، ان کی سوال و جواب کی علمی مجالس کا دور دور تک شہرہ ہے، حضرت سراج الفقہا دام ظلہ جامعہ اشرفیہ کے سابق صدر المدرسین، گورکھپور کمشنری اور پورے حلقۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے قاضی، شارح بخاری دار الافتاء کے صدر مفتی، مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے ناظم اور جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر فائز ہیں اور صرف رسمی طور پر نہیں بلکہ پوری ذمہ داری اور دیانت داری کے ساتھ آپ ان عہدوں کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔

جب اشرفیہ میں اختصاص فی الحدیث کا شعبہ قائم ہوا تو نصاب بورڈ نے ایک موضوع صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف بھی تجویز کیا اور اس موضوع پر درس و خطاب کی ذمہ داری آپ کو دی گئی، آپ نے اس موضوع کو رسمی طور پر محض تدریس کا حصہ نہ بنایا بلکہ ایک باحث و محقق کی نگاہ سے دیکھا اور اپنے دروس املا کرا دیے جو شعبہ اختصاص کے لیے کسی نعمت اور علمی خزانے سے کم نہیں تھا، پھر حضرت مصنف نے ان پر دوبارہ محنت کی اور دو جلدوں میں یہ تاریخی دستاویز دنیا کے سامنے آئی۔

صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ لکھتے ہیں:

زیر نظر کتاب میں غیر مقلدین کے بلند بانگ دعووں کی نقاب کشائی بڑی خوش اسلوبی سے کی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ قدم قدم پر صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) سے ان کے انحراف اور کتاب و سنت سے دوری ان کے خمیر میں داخل ہے۔ اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے دلائل و شواہد کی مضبوط زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے، چشم بینا ہو تو دیکھیے، گوشِ شنوا ہو تو سنیے، کھلے دل سے مطالعہ کریں، اس میں ہدایت و بصیرت کا سامان وافر مقدار میں مہیا پائیں گے و اللہ الھادی والنصیر۔“ (جلد اول، ص:6)

حضرت مصنف کے علمی اور تحقیقی منہج اور ان کی فقہی بصیرت، وسعتِ مطالعہ اور علمی و فکری گیرائی و گہرائی پر استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی یوں خامہ فرسا ہیں:

سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی کو اللہ تعالیٰ نے ذہنِ رسا اور فکرِ دقیق عطا فرمائی ہے، ساتھ ہی ان کا محققانہ طرز بیان اور مسائل و مباحث کے ضروری گوشوں کے احاطے کے ساتھ آسان لب و لہجے میں سمجھانے کا ہنر انھیں موجودہ عہد کے اربابِ فتویٰ اور محققین سے ممتاز کرتا ہے۔ ان کی تقریباً تمام تصنیفات و تحقیقات میں یہ رنگ دور ہی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ فقہی و علمی مباحث پر مشتمل کتابوں پر انھوں نے جو گراں قدر، تاریخی اور تحقیقی مقدمے تحریر فرمائے وہ خود ان کے تحقیقی مزاج اور علمی تبحر کا پتا دیتے ہیں بطور خاص مجلس شرعی کے فیصلے جلد اول، جلد دوم، صحیفہ مجلس شرعی جلد دوم، جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے (تین جلدیں) پر آپ نے جو مقدمے لکھے وہ مستقل ایک علمی و تحقیقی رسالے کی حیثیت رکھتے ہیں اور فقہ و افتا کے قدیم و جدید سلسلوں کی تفہیم میں ایک محقق کے لیے ان مقدموں سے مدد نہ لینا تحقیق و تفتیش میں تشنگی کا احساس دلائے گا۔ زیر نظر کتاب ”احادیث صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف“ پندرہویں صدی کا ایک اہم علمی اور تاریخی کارنامہ ہے جو حضرت سراج الفقہاء کے قلم حقیقت نگار سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے علم و تحقیق کے ہفت اقلیم اس طرح سر کیے ہیں جس سے پیش رو فقہائے محققین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔“

(جلد دوم، ص:296، 297)

ان دونوں جلدوں میں 255 آیات قرآنی اور 520 احادیث نبوی بطورِ استدلال پیش کی گئی ہیں اور کل تین ابواب ہیں جن میں انتخابِ احادیث کے لیے مسائل کی زمرہ بندی یوں ہے: (1) عقائد (2) فروعی عقائد (3) فروعی مسائل ان تین زمروں میں مجموعی طور پر 32 مسائل زیر بحث آئے ہیں

جلد اول کے آغاز میں کتاب اور صاحب کتاب کے عنوان سے صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی (ناظم مجلس برکات و ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ) نے چار صفحات میں حضرت مصنف کی امتیازی خوبیوں اور علمی و فقہی کمالات کی نقاب کشائی کی ہے اور اس کتاب کے منصفانہ مطالعہ کی اپیل کی ہے. اس کے بعد ایک علمی و تاریخی مقدمہ خود حضرت مصنف نے رقم فرمایا ہے جس میں تقریباً چالیس ذیلی عناوین پر تحقیقی گفتگو کی گئی ہے،

یہ تفصیلی مقدمہ بجائے خود ایک مستقل رسالہ ہے جس کی ہر سطر میں علم وتحقیق کی شعاعیں موجود ہیں۔

باب اول عقائد کے بیان میں ہے جس میں درج ذیل کل 17/مسائل پر علمی اور تحقیقی گفتگو کی گئی ہے:

1-امتناعِ کذبِ باری کا عقیدہ، کتاب وسنت کی روشنی میں
2-ختم نبوت، احادیث نبویہ کی روشنی میں
3-امتناعِ نظیر، کتاب وسنت کی روشنی میں
4-تعظیم رسول، کتاب وسنت کی روشنی میں
5-بارگاہِ الٰہی میں رسول اللہ اور مومنین کی عزت
6-شفاعت، کتاب وسنت کی روشنی میں
7-علم غیب رسول، کتاب وسنت کی روشنی میں
8-عقیدہ حاضر وناظر، کتاب وسنت کی روشنی میں
9-توسل وندا، احادیث کریمہ کی روشنی میں
10-تصرفاتِ انبیا، کتاب وسنت کی روشنی میں
11-شارعِ اسلام کے تشریعی اختیارات کے شواہد
12-مدینہ منورہ کے حرم ہونے کے شواہد
13-اللہ چاہے پھر اللہ کے رسول، کہنا جائز ہے
14-مسلمانوں کو مشرک قرار دینے کی شناعت
15-تقلید عرفی کا وجوب، کتاب وسنت کی روشنی میں
16-اجماع امت، کتاب وسنت کی روشنی میں
17-قیاس شرعی، احادیث نبویہ کی روشنی میں

مذکورہ مسائل پر فاضل محقق نے جس تحقیقی دیانت داری اور معروضی انداز بیان کے ساتھ علمی وادبی اسلوب میں گفتگو فرمائی ہے وہ اتنی چشم کشا اور فکر انگیز ہے کہ بعدِ مطالعہ برجستہ انصاف پسند دل واہ واہ کرتا ہے، ان مسائل میں دلائل وشواہد کی ترتیب بھی انتہائی دل پذیر اور حقیقت نگاری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ تعارف نگار حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی رقم طراز ہیں:

امتناع کذب باری کا مسئلہ باب الٰہیات کا ہے، باب نبوت میں ختم نبوت، امتناع نظیر، تعظیم رسول ﷺ، بارگاہ الٰہی میں رسول اللہ ﷺ اور مومنین کی عزت، شفاعت، علم غیب رسول، عقیدۂ حاضر وناظر، توسل وندا، تصرفات انبیا، شارع اسلام کے تشریعی اختیارات وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں جن پر الگ الگ مباحث ہیں اور دلائل عقلیہ ونقلیہ کی رنگا رنگی میں عقائد اہل سنت کا چہرہ آفتاب نیم روز کی طرح چمک رہا ہے اور باطل عقائد ونظریات کی روسیاہی بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور غیر مقلدین کا پانی کے بلبلوں کی طرح بنا ہوا شیش محل لمحہ لمحہ پانی میں تحلیل ہوتا دکھائی دیتا ہے۔"

(جلد دوم، ص:299)

سولہویں اور سترہویں مسئلے میں اجماع اور قیاس کے حجتِ شرعی ہونے پر تقریبًا پچاس صفحات میں کارآمد بحثیں کی گئی ہیں۔ "اجماع امت خطا سے پاک اور حجت شرعی ہے" اس موقف پر اہل سنت کی پانچ دلیلوں کا ذکر ہے اور احادیث اجماع کو پانچ انواع میں تقسیم کیا گیا ہے، پھر احادیث متواترہ کے مقابل فرقہ وہابیہ کا موقف بیان کیا گیا ہے۔ اخیر میں "آگاہی" کے ذیلی عنوان سے مصنف کتاب لکھتے ہیں:

"ہم یہاں اپنے برادران دینی کی آگاہی کے لیے یہ وضاحت بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ اجماع کی حُجیت پر تمام اہل قبلہ کا اتفاق عہد سلف میں ہی ہو چکا ہے، اس لیے اس کے بعد کے زمانے میں کبھی کوئی اس کی مخالفت کرے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا کہ یہ خرقِ اجماع ہے جو شرعًا بہت معیوب اور ناقابل اعتنا ہے۔" (جلد اول، ص:483)

فقہ کی چوتھی دلیل "قیاس شرعی" ہے۔ اس لیے احادیث نبویہ کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے کہ قیاس در اصل کتاب اللہ یا سنت اللہ یا اجماع سے ماخوذ ہوتا ہے اس لیے یہ کتاب وسنت واجماع کے احکام کا مظہر اور فقہ کی دلیل رابع ہے۔

ان سترہ مسائل کی تحقیق وتنقیح پر جلد اول مکمل ہو جاتی ہے اور جلد دوم سے باب دوم شروع ہوتا ہے، جس میں فروعی عقائد سے متعلق تین اہم مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں: (1) بدعت، احادیث نبویہ کی روشنی میں (2) محفلِ میلاد النبی، کتاب وسنت کی روشنی میں (3) صلاۃ وسلام بہ حالتِ قیام، کتاب وسنت کی روشنی میں۔

تیسرا باب فروعی مسائل کے بیان میں ہے جس میں مجموعی طور پر درج ذیل 12 عناوین پر گفتگو کی گئی ہے:

1-وضو میں نیت فرض ہے یا سنت، احادیث نبویہ کی روشنی میں-
2- نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، احادیث نبویہ

سے روشن ثبوت
3-صبح روشن میں نماز فجر پڑھنے کا استحباب
4-سایہ ایک مثل ہونے پر بھی وقت ظہر باقی رہتا ہے
5-سفر میں جمع بین الصلاتین
6-نماز میں رفع یدین جائز، غیر مستحب ہے
7-پست آواز سے آمین کہنا افضل ہے یا بلند آواز سے؟
8-مقتدی امام کے پیچھے قرات نہ کرے
9-استخارہ، احادیث نبویہ کی روشنی میں
10-بالغ کو دودھ پلانے سے حرمت رضاعت
11-ایک نشست میں تین طلاق، تین یا ایک؟
12-حلالہ حلال یا حرام؟ کتاب وسنت سے شافی جواب.

اس جلد میں بھی حضرت سراج الفقہا نے ایک بسیط مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ تابش اول اور تابش دوم علی الترتیب ”فقہی مذاہب پر فہم احادیث اور خیر القرون ومابعد کے رُواۃ کا اثر واقعات اور احادیث کے اجالے میں“ اور ”اجتہادی مسائل میں اہل سنت کا موقف احادیث نبویہ کی روشنی میں“ کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت سراج الفقہا علم حدیث، اصول حدیث، تاریخ تدوین حدیث، اسماء الرجال، نقد حدیث، جرح وتعدیل اور محدثین وائمہ کرام کے نقطہ ہائے نظر پر عالمانہ دست رس رکھتے ہیں اور ایک فقیہ متبحر کے لیے علوم حدیث کا علم ہونا بے حد ضروری ہے۔

حضرت سراج الفقہا دام ظلہ العالی کی جملہ تصانیف میں ایک وصفِ خاص قدر مشترک کی شکل میں نظر آتا ہے کہ انھوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی تحقیقات وفتاویٰ اور کتب ورسائل کو فقیہانہ و محدثانہ نگاہ سے پڑھا ہے اور اس بحر بے کراں سے بیش قیمت موتی چنے ہیں۔ اس کتاب میں بھی ان کی وسعتِ مطالعہ اور دقتِ نظر کے نمونے جابجا دکھائی دیتے ہیں اور کتاب کے استناد واعتبار میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

اسی جلد میں استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی کی 38 صفحات پر مشتمل ایک تفصیلی سوانحی تحریر شامل ہے جو کتاب اور صاحب کتاب کے احوال و آثار کا تجزیہ پیش کرتی ہے، جو پر اثر بھی ہے اور قابل مطالعہ بھی۔

اس کے بعد دونوں جلدوں میں شامل 255/آیات قرآنیہ اور 520 احادیث نبویہ کی فہرست درج ہے اور ”مختار الاحادیث“ کے نام 202 احادیث کا انتخاب دیا گیا ہے، مصنف نے چند جملوں میں اس انتخاب کے مقاصد بیان کیے ہیں اور شعبہ اختصاص فی الحدیث کے تعلیمی سال کے چار شش ماہی کے پیش نظر اسے چار اجزا میں تقسیم کیا ہے اور طلبہ مدارس سے اپیل کی ہے کہ یہ حدیثیں ضرور یاد کریں اور لوگوں تک انھیں پہنچا کر بشارتِ نبوی کے حق دار بنیں۔

چوں کہ یہ ایک تعارفی تحریر ہے اس لیے ہم شواہد کی پیش کش سے گریز کرتے ہوئے قارئین کو از خود مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں تاکہ انھیں اندازہ ہو کہ یہ کتاب دراصل کس درجہ عالمانہ و محققانہ ہے اور کس قدر نفیس بحثوں کا مجموعہ ہے۔ ہندوستان سے اس کتاب کا پہلا ایڈیشن اور پاکستان کے تین طباعتی اداروں سے الگ الگ ایڈیشن شائع ہونا اس کی مقبولیت کا واضح ثبوت ہے۔

تبصرہ نگار عوام وخواص سے گزارش کرتا ہے کہ اپنی قومی اور ذاتی لائبریریوں میں اس کتاب کو ضرور رکھیں اور غیر مقلدین کی فتنہ انگیزی سے خود بھی محفوظ رہیں اور دوسروں کو بھی بچانے کا جتن کریں، اللہ عزوجل حضرت مصنف دام ظلہ العالی کی یہ علمی خدمت قبول فرمائے اور مزید کی توفیقات سے نوازے آمین۔

ملنے کے پتے:
1-مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی، پن کوڈ:276404 فون نمبر:07237876095
2-مجلس برکات، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی 6
فون نمبر:09990268735/09911198459

بنارس میں
ماھنامہ اشرفیہ حاصل کریں
جناب الحاج ابرار احمد
عزیزی جنرل اسٹور
متصل جامع ہاسپٹل، پیلی کوٹھی، بنارس (یوپی)
موبائل:9918865967

خیابانِ حرم

منظومات

دُنیا

یہ جو دنیا ہے فقط اک جال ہے
یوں سمجھ جی کے لیے جنجال ہے

حرص ہے دنیا کی کثرت کی طلب
ورنہ مقصد سب کا روٹی دال ہے

آیئے دنیا کی سمجھاؤں مثال
یوں سمجھیے کاغذی رومال ہے

میں نے دیکھا لوگ مائل ہوگئے
اس طرف جس سمت دیکھا مال ہے

کون اُس کو دوست رکھتا ہے یہاں
جو کہ یاں محتاج اور کنگال ہے

سب ہی رکھتے ہیں امیروں سے لگاو
کون ناچاروں کا پرساں حال ہے

چھوڑ کر دنیا جو عارؔف مست ہے
نزدِ مولیٰ صاحب اقبال ہے

از: مولانا **غیاث الدین احمد عارف** مصباحی،
مہراج گنج، یوپی

مدح وثنا کے پھول

جب بھی کھلے ہیں آپ کی مدح وثنا کے پھول
چاروں طرف بکھر گئے رب کی عطا کے پھول

میں نے وسیلہ نامِ پیمبر کا جب لیا
خوشبو بداماں ہوگئے میری دعا کے پھول

سیرت پہ اُن کی چل کے ہی سب ہوں گے کامیاب
چُنیے عمل کی راہ میں اُن کی رضا کے پھول

اُس جانِ جاں کا عشّق تو ایمان کی ہے جان
دل میں سجائے رکھو نبی کی وِلا کے پھول

کشتِ امل کو رکھتا ہے سرسبز اِس کا وِرد
مہکائے ذہن و فکر کو صلِ علیٰ کے پھول

باطل کی چار سمت ہے یلغار، مومنو!
نکہت بسادیں حق کی، لیے کربلا کے پھول

ہو عطر بیز فکرِ مشاہد نَعوُت سے
مل جائیں لفظ ومعنی وصوت وصدا کے پھول

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی، مالیگاؤں
15 جولائی 2021ء

منقبت

در شان سید شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی علیہ الرحمۃ

یوں قصیدہ پڑھتی ہے دنیا وجیہ الدین کا
عالمِ عرفاں میں ہے جلوہ وجیہ الدین کا
ارثِ نصر اللہ سے پائی تھی دولت علم کی
قدر داں تھا طبقۂ فقہا وجیہ الدین کا
تجھ کو اے محمودِ ثالث بختِ محمودی ملا
لا کے قاصد نے دیا پرچہ وجیہ الدین کا
مشتبہ اشیا سے بھی کرتے تھے ہر دم احتیاط
آج بھی مشہور ہے تقویٰ وجیہ الدین کا
دونوں عالم میں اسے سب جوہری کہنے لگے
پایا جس نے جوہرِ خمسہ وجیہ الدین کا
سلسلہ شطاریہ کے مصلحِ اعظم ہیں وہ
کارِ حق دیکھے ذرا دنیا وجیہ الدین کا
ہے رسالہ علویہ اس بات کا شاہد کہ بس
چلتا ہے تفسیر میں سکہ وجیہ الدین کا
درس گاہِ فیض سے چمکے ہیں صد ماہ و نجوم
ہے عجم سے تا عرب شہرہ وجیہ الدین کا
گونجتا ہے ہر طرف اعلانِ مقصود المرام
ایک سو بیس علم تھے جامہ وجیہ الدین کا
طالبِ علم و ہنر مہتاب کرتا ہے دعا
یا الٰہی دے مجھے صدقہ وجیہ الدین کا

مہتاب پیامی، مبارک پور

صدائے بازگشت

ہدیۂ تشکر اور گناہوں کی بخشش کا ذریعہ!

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ تاریخ انسانی کا ایسا بے مثال اور شاندار باب ہے جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں بڑے اہتمام سے کیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حکم ہوا کہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ہمارے لیے قربان کر دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا: ”اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ سو غور کرو کہ تمھاری کیا رائے ہے؟“ (الصافات، 37: 102) اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فیضانِ نبوت کے طفیل فہم و شعور کی بلند سطح عطا کر رکھی تھی۔ آپ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے ذبح نہ کریں بلکہ آپ نے جو جواب دیا وہ بھی پیغمبرانہ بصیرت کا حامل تھا۔ قرآن حکیم نے آپ کے اس جواب کو بھی ابدی شان عطا فرماتے ہوئے اپنے دامن میں جگہ دی۔ عرض کرنے لگے: ”ابّاجان! وہ کام (فوراً) کر ڈالیے جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔ (الصافات، 102:37) آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ابا جان! آپ نے تو خواب دیکھا ہے، خواب کی تعبیر کچھ بھی ہو سکتی ہے۔ آپ اگرچہ بچے تھے لیکن جانتے تھے کہ نبی کا خواب عام خواب نہیں ہوتا بلکہ وحی ہوتی ہے۔ ثانیاً یہ جواب اس خیال سے بھی دیا کہ ایسا نہ ہو کہ انسانی اور بشری تقاضوں کی بنا پر شفقتِ پدری غالب آئے اور بیٹے کی گردن پر چھری چلتے چلتے ہاتھ لرز جائیں، اس لیے بحیثیت بیٹا عرض کیا: ”اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔“ (الصافات، 102:37)

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے صبر کے عمل کو بھی اپنی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی توفیق قرار دیا۔ یہی وہ آدابِ گفتگو تھے جن کا تصور بھی عام انسان سے نہیں کیا جا سکتا۔

جب ذبح ہونے والا صبر کا مظاہرہ کر رہا ہو تو لامحالہ ذبح کرنے والے کا صبر بھی دیدنی ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نیت سے منیٰ کی طرف لے کر چل پڑے۔ راستے میں شیطان نے بارہا ورغلانے کے جتن کیے لیکن آپ علیہ السلام کے پائے استقلال میں فرق نہ آیا۔ باپ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بیٹے کی گردن پر چھری رکھی۔ یہی وہ تاریخی لمحہ تھا جس کو للہ رب العزت کی ذات اور قدسیانِ فلک دیکھ رہے تھے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا اور باپ بیٹا دونوں محبت الٰہی کے اس بہت بڑے امتحان میں عشاقانِ جہاں کی نمائندگی کرتے ہوئے شاندار کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کو مینڈھے کی قربانی سے بدل دیا۔ جنت سے ایک مینڈھا لایا گیا جسے راہِ خدا میں قربان کیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور ہم نے ایک بہت بڑی قربانی کے ساتھ اس کا فدیہ کر دیا۔ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں اس کا ذکرِ خیر برقرار رکھا۔“ (الصافات، 37: 107-108) اللہ تعالیٰ نے اس ذبحِ عظیم کے فدیے کے طور پر دی گئی مینڈھے کی قربانی کو قبولیت کا وہ درجہ عطا کیا کہ اس مثال کو آئندہ آنے والی ملتِ اسلامیہ کے اندر ایک عظیم اسلامی شعار کے طور پر قائم رکھا۔ قربانی کی رسم کو دین کا اہم رکن بنانے کے لیے ایسے نبی اور ایسی امت کو منتخب فرمایا جو ہر نبی اور ہر امت سے عظیم اور قیامت تک قائم رہنے والی تھی تاکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اس عظیم یادگار کو قیامت تک ہر سال تازہ کرتے رہیں۔

احیائے سنت ابراہیم علیہ السلام:

قربانی کا عمل وہ سنتِ ابراہیمی علیہ السلام ہے جسے امتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں یادگار کی صورت میں قیامت تک کے لیے محفوظ کر لیا گیا ہے اور امتِ مسلمہ کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے عملی صورت میں اس کا مظاہرہ کرتی رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور ہم نے ہر امت کے لیے ایک قربانی مقرر کر دی ہے“ (الحج، 34:22)

اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فعل اس قدر پسند آیا کہ امتِ مسلمہ کے لیے اس کی تقلید کو عبادت قرار دے دیا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا "یارسول اللہ! یہ قربانی کیا شے ہے؟ تو آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ نے عرض

کیا: اس قربانی سے ہمیں کیا ثواب ملے گا؟ آقا ﷺ نے فرمایا: ہر بال کے عوض ایک نیکی۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اگر مینڈھا ہو تو بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تب بھی اس کی اون کے ہر بال کے عوض ایک نیکی ملے گی۔" (ابن ماجہ، السنن، کتاب الاضاحی، رقم: 3127)

عید کے دن مسلمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی پیروی میں جانور قربان کر کے وہ جذبہ ایمانی اپنے دلوں میں تازہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر اللہ کی رضا کے لیے ہمیں جانور تو کیا جانوں کا نذرانہ بھی پیش کرنا پڑا تو اس سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ گویا قربانی کا اصل مدعا مسلمان کے اندر جذبۂ ایثار اجاگر کرنا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر شے قربان کرنے کے لیے مستعد ہو جائیں اور بڑی سے بڑی قربانی دینے میں تساہل اور تردّد نہ کریں۔

قربانی بھی ہدیۂ تشکر کا ایک بڑا ذریعہ:

عید الاضحیٰ کے روز قربانی کا ایک بڑا مقصد بارگاہِ رب العزت میں ہدیہ تشکر پیش کرنا بھی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ مینڈھے کی قربانی قبول فرما کر انسانیت کو زندگی کی عظیم نعمت سے نوازا۔ یوں قربانی کے لیے انسانوں کی بجائے جانوروں کی قربانی کو قیامت تک کے لیے ملتِ ابراہیمی کے لیے لازم قرار دے کر بنی نوعِ انسانی پر بے پایاں احسان فرمایا۔ دستورِ زمانہ ہے کہ کوئی کسی پر احسان کرتا ہے تو محسن کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے جس سے محسن خوش ہو کر مزید نوازتا ہے۔ اظہارِ شکر مزید انعام و اکرام کا ذریعہ ہے۔ علاوہ ازیں انسان کی اپنی زندگی بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے عبارت ہے۔ لاتعداد نعمتیں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ محسنِ حقیقی کا اس طرح سے شکر ادا کیا جائے کہ زندگی مکمل طور پر سراپا تشکر بن جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔" (البقرۃ: 2:152)

زندگی جیسی عظیم نعمت کا شکر اسی صورت میں کما حقہ ادا ہو سکتا ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو اسے رضائے الٰہی کے لیے قربان کر دیا جائے۔

از قلم۔ **محمد عسجد رضا مصباحی**
صدر۔ تحریک اصلاح معاشرہ، گڈا، جھارکھنڈ

اعلیٰ حضرت کی انفرادی اصلاحی کوشش

دنیا نابغۂ روزگار شخصیتوں اور مختلف علوم و فنون کے ماہرین سے بھری پڑی ہے لیکن اعداد و شمار کے اعتبار سے بہت ہی کم شخصیتیں ہیں جن کی یادوں کے قندیل آج بھی ہمارے قلب و جگر کے نہاں خانے کو منور کیے ہوئے ہیں۔ انھی میں سے ایک بطلِ جلیل سیدی سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی مقدس ذات بھی ہے۔ کئی دہائیاں گزر جانے کے بعد بھی اپنے اور بے گانے اسلام و سنیت کے تئیں آپ کی خدمات کو دیکھ کر بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں کہ "اللہ جل جلالہ نے آپ کو اسی مقصدِ حسنہ کے لیے پیدا فرمایا تھا" اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی ذات و صفات مختلف علوم و فنون سے مزین تھی۔ لیکن یہاں آپ علیہ الرحمہ کی انفرادی اصلاحی کوششوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ علمی گھرانے کے مایۂ ناز چشم و چراغ تھے۔ علم دین سیکھنا سکھانا خاندانی ریت رواج کا ہدف اول تھا۔ دنیا میں پیدا ہونے والا ہر وہ بچہ جو آغوش اسلام میں آنکھیں کھولتا ہے اس کے سر پر دو تاج زریں ہوتا ہے ایک اصلاح کا دوسرا تبلیغ کا، گویا ہر مسلمان خدا کی جانب سے مصلح و مبلغ بنا کر بھیجا جاتا ہے۔

اپنے استاذ کی انفرادی اصلاحی کوشش:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی ہر ادا میں وقار اور سلیقہ تھا، نورانی چہرہ آپ کی قلبی نورانیت کی عکاسی کر رہا تھا، سُرگیں چمکتی ہوئی آنکھیں آپ کی ذہانت و فطانت کی خبر دے رہی تھیں۔ آپ کی ننھی سی عمر تھی علم دین سیکھنے کی غرض سے بارگاہ استاذ میں زانوے تلمذ تہ کیے ہوئے تھے، اسی اثنا میں ایک طالب علم نے استاد صاحب کو سلام عرض کیا۔ استاد صاحب کے منہ سے نکلا "جیتے رہو بیٹا" اتنا سننا تھا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ چونک پڑے اور آپ علیہ الرحمہ نے بڑے ادب کے ساتھ کچھ یوں عرض کی "یا استاذی سلام کے جواب میں تو وعلیکم السلام کہنا چاہیے" استاذ صاحب اس اصلاح پر ناراض نہ ہوئے بلکہ خیر خواہی کرنے پر خوشی و شادمانی کا اظہار فرمایا نیز اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو ڈھیر ساری دعائیں بھی دیں۔

ایک پیر صاحب کی انفرادی اصلاح: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ مدرستہ الحدیث پیلی بھیت کے سالانہ جلسہ میں پیلی بھیت تشریف لائے تو ایک روز حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کے ہمراہ پیلی بھیت کے مشہور بزرگ "شاہ جی محمد شیر میاں" علیہ الرحمہ سے ملنے تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ شاہ صاحب بے حجابانہ عورتوں کو بیعت کرا رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی غیرتِ ایمانی نے وہاں رکنا گوارا نہ کیا اور آپ ان سے ملے بغیر ہی واپس تشریف لے آئے۔ دوسرا کوئی ہوتا تو ناراض ہو جاتا۔ لیکن حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کمال بے نفسی و حق پسندی اس طرح جلوہ گر ہوا کہ شام کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ جب بریلی شریف جانے

لگے تو شاہ جی میاں صاحب علیہ الرحمہ اسٹیشن تک پہنچانے گئے اور صبح کے واقعہ پر اظہار افسوس کر کے فرمایا "مولانا اب آئندہ میں عورتوں کو پس پردہ بٹھا کر بیعت لیا کروں گا"۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ان سے مصافحہ و معانقہ فرمایا۔ (حیات اعلیٰ حضرت ج1ص147)

پہلی صف میں نماز ادا کرنے کے متعلق اصلاح:

ایک مرتبہ جب نماز مغرب کی جماعت قائم ہوئی تو حاجی محمد شاہ خان صاحب قادری رضوی نے صف اول میں شامل ہونے کی غرض سے شمالی فصیل پر کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ان کو دیکھ لیا تھا، نماز کے بعد اپنے پاس بلا کر ارشاد فرمایا: "خان صاحب! اس طرح صف اول کا ثواب نہیں ملتا۔ کیوں کہ یہ جگہ مسجد سے خارج ہے، آئندہ خیال کیجیے گا۔ اگر لوگوں کو صف اول کے ثواب کا علم ہو جائے تو قرعہ اندازی کرنا پڑے۔" (حیات اعلیٰ حضرت ج3ص86)

نواب صاحب کی اصلاح: خلیفۂ اعلیٰ حضرت ملک العلما حضرت علامہ مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک صاحب جنہیں نواب صاحب کہا جاتا تھا۔ مسجد میں نماز پڑھنے آئے اور کھڑے کھڑے بے پروائی سے اپنی چھڑی مسجد کے فرش پر گرادی جس کی آواز حاضرین نے سنی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: "نواب صاحب! مسجد میں زور سے قدم رکھ کر چلنا بھی منع ہے، پھر کہاں چھڑی کو اتنی زور سے ڈالنا۔" نواب صاحب نے میرے سامنے وعدہ کیا کہ ان شاء اللہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ (حیات اعلیٰ حضرت ج3ص167)

نگاہ ولی کی تاثیر: امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سن 1329ھ میں مدرسۃ الحدیث میں حضرت علامہ مولانا شاہ محمد وصی احمد سورتی علیہ الرحمہ کے ہاں مقیم تھے۔ سید فرزند علی صاحب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے آئے اور دست بوس ہوئے۔ سید صاحب کی داڑھی کٹی ہوئی تھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ بہت دیر تک گہری نظروں سے سید صاحب کے چہرے کو دیکھتے رہے۔ سید صاحب فرماتے ہیں کہ "سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی نگاہوں نے مجھے پسینہ پسینہ کر دیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک سچے عاشق رسول مجھے داڑھی رکھنے کی خاموش ہدایت فرما رہے ہیں۔ میں نے صبح کو حاضر خدمت ہو کر اپنے اس فعل شنیعہ سے توبہ کی۔

(حیات اعلیٰ حضرت ج3ص238)

از: **آصف جمیل امجدی**، انٹیاتھوک، گونڈہ

☆☆☆

(ص:56 کا بقیہ)

اخیر میں پوری امت مسلمہ کے لیے فلاح و بہبود اور پوری دنیا میں چین و سکون کی فضا قائم رہنے کی دعائیں کی گئیں۔

اس موقع پر مفتی بدر عالم مصباحی مولانا نعیم الدین عزیزی مفتی محمد نسیم القادری مصباحی، مولانا مسعود احمد برکاتی، مفتی زاہد علی سلامی، مولانا صدر الوری مصباحی، مولانا ناظم علی مصباحی، مولانا اختر کمال مصباحی اور جامعہ ہذا کے دیگر اساتذہ کثیر تعداد میں موجود تھے۔

از: **رحمت اللہ مصباحی**

شہباز دکن کا وصال

پیر طریقت رہبر شریعت خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا قاری محمد مجیب علی رضوی علیہ الرحمہ طویل مدت سے علیل تھے، بروز چہار شنبہ 25 ذی القعدہ 1442 ہجری بمطابق 7 جولائی 2021ء کی صبح نماز فجر سے پہلے انتقال فرما گئے (اناللہ وانا الیہ راجعون)۔

حضرت کی ذات کو پوری دنیائے سنیت میں جانا اور پہچانا جاتا ہے بالخصوص دکن کی آپ شان تھے اہل سنت و جماعت کے معاملات میں آپ دکن میں سب سے اول نظر آتے۔ جنوب کے تمام مدارس اہل سنت سے آپ کے روابط تھے۔ الحمدللہ! آپ اہل سنت کے ایک بے باک و باوقار خطیب تھے۔ آپ کے روح پرور خطابت دلوں میں ایمان کی حلاوت پیدا کر دیتے، جب بھی آپ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو دل چاہتا کہ حضرت تلاوت فرماتے ہی رہیں۔ آپ ہمیشہ ناصحانہ گفتگو فرماتے تھے۔ بلاشبہ آپ کا وصال اہل سنت کا عظیم نقصان ہے، ہم آپ کے جملہ معتقدین و متوسلین، محبین بالخصوص حضرت کے صاحبزادے مولانا محمد اویس رضا قادری و افراد اہل خانہ کو تعزیت پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بے حساب مغفرت فرمائے، آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

از: ناظم نشرواشاعت، **امام احمد رضا مومنٹ**، بنگلور

امبیڈکر نگر میں ماہنامہ اشرفیہ حاصل کریں

جناب محمد کلیم بک سیلر

پٹرول ٹنکی کے سامنے حیات گنج، ٹانڈہ، ضلع امبیڈکر نگر (یوپی)

8542977075،8576940543

خیر وخبر

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کی رہائش گاہ پر ٹیکہ کاری کیمپ کا انعقاد

کووڈ ویکسین کے حوالے سے لوگوں میں پائی جانے والی جھوٹی افواہوں پر لگام لگانے کے لیے آج جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سربراہ اعلیٰ علامہ عبد الحفیظ عزیزی کی رہائش گاہ واقع محلہ پرانی بستی میں سی ایچ سی مبارک پور کے ذریعہ ایک خصوصی کیمپ کا انعقاد کیا گیا جس کے بہت اچھے نتائج سامنے آئے اور صرف 2 گھنٹے کے اندر 101 افراد نے وہاں پہنچ کر ٹیکہ لگوایا، جن میں خواتین کی تعداد زیادہ تھی، سب سے پہلے یہ ویکسین سربراہ اعلیٰ کے اہل خانہ کو دی گئی، جس کی خبر عام ہوتے ہی ویکسین کے لیے اکثریت کے ساتھ لوگ وہاں پہنچ گئے، سربراہ اعلیٰ موصوف کے صاحبزادے مولانا نعیم الدین عزیزی آخر تک کیمپ میں موجود رہے۔

اس موقع پر مولانا نعیم الدین عزیزی نے کہا کہ کووڈ ویکسین کے حوالے سے لوگوں میں جو خدشات پھیلے ہوئی ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں، یہ ویکسین بہت محنت اور مشقت کے بعد تیار کی گئی ہے، اس لیے لوگوں کو چاہئے کہ وہ مطمئن ہو کر ٹیکہ لگوائیں۔

کیمپ میں ڈاکٹر محمد معراج اور ڈاکٹر عبد الکلام وغیرہ خاص طور پر موجود تھے۔

از: رحمت اللہ مصباحی

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں شجر کاری

ایچ ڈی ایف سی بینک شاخ مبارک کے زیر اہتمام عالمی شہرت یافتہ درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کیمپس میں شجر کاری پروگرام کے تحت جامعہ ہذا کے ناظم اعلیٰ حاجی سرفراز اور مذکورہ بینک ملازمین کے بدست 35 پیڑ لگا کر ماحولیات کو کثافت سے پاک کرنے کی کوشش میں تعاون پیش کیا۔ اس موقع پر مذکورہ بینک کے مقامی برانچ ہیڈ سودھانشو چترویدی نے کہا کہ پیڑ پودوں کا ہونا بہت ضروری ہے کیوں کہ انھیں کے ذریعہ ہمیں ضرورت کے مطابق آکسیجن ملتی ہے، الجامعۃ الاشرفیہ کے ناظم اعلیٰ حاجی سرفراز احمد نے کہا کہ ہم سب کا فرض بنتا ہے کہ زمین کی خوبصورتی کو بنائے رکھنے میں اپنا تعاون پیش کریں، انھوں نے کہا کہ شجر کاری اس وقت بہت اہم ہے کیوں کہ یہ سرسبز و شاداب اشجار نہیں ہوتے تو ہمارا نظام تنفس جواب دینے لگتا انھیں کے ذریعہ ہم کو آکسیجن حاصل ہوتی ہے انھوں نے لوگوں بالخصوص نوجوانوں سے اپیل کرتے ہوئے کہا کہ زیادہ سے زیادہ شجر کاری کر کے ماحولیات کو صاف و شفاف بنانے میں اپنا تعاون پیش کریں۔

اس موقع پر جامعہ ہذا کے ناظم اعلیٰ حاجی سرفراز احمد، برانچ منیجر وبھور ماتھر، ساحل سنگھ، راہل شکلا، پنکج، اسرار احمد، ماسٹر صدر عالم، سفر احمد اعظمی، محمد ظہیر الدین، حاجی خورشید احمد، اور دیگر افراد موجود تھے۔

از: رحمت اللہ مصباحی

جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں محفل ایصال ثواب

مبارک پور اعظم گڑھ (نامہ نگار) الجامعۃ الاشرفیہ کے سربراہ اعلی عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی کے حکم پر الحاج سرفراز احمد ناظم اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کی قیادت میں ایصال ثواب کی ایک محفل کا انعقاد عمل میں آیا۔ جامعہ ہذا کے اسٹاف روم میں اساتذہ جمع ہوئے پھر مختصر قرآن خوانی کے بعد جامعہ کے قدیم ترین فرزند علامہ ممتاز احمد اشرف القادری علیہ الرحمہ، مخیر قوم وملت الحاج عبد الحی ریوڑی تالاب بنارس، محسن جامعہ الحاج عبد الرحمٰن مبارکپوری، مبارک پور اور پورے بھارت بلکہ عالم اسلام کے دوسرے مرحومین اہل سنت لیے دعاے مغفرت، عند اللہ ترقی درجات اور ان کے پسماندگان وفرزندان کے لیے صحت وعافیت اور خیر وبرکت کی دعائیں کی گئیں۔

(باقی ص: 55 پر)

JULY-2021

R.N.I. No. 29292/76 Regd. No. AZM/N.P.2

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA) Ph. (05462) 250149, 250092, Fax-251448

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

اہل سنت وجماعت میں محتاجِ تعارف نہیں، اس کی دینی علمی اور تعلیمی خدمات ہر طرف روشن ہیں، تعلیمی اور تعمیری امور سے متعلق بے پناہ ضرورتیں سامنے ہیں، آپ حضرات سے گذارش ہے کہ حسب ذیل ذرائع سے اپنی رقوم ارسال فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل آپ کو دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین

عبدالحفیظ عفی عنہ

سربراہ اعلیٰ

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ (یوپی)

(Tel.) - 05462-250092 (Mob. No.) 9450109981 Mahnama Ashrafia: 05462-250149
Fax No. 05462-251448 (Mumbai Office) 022-23726122
(Delhi Office) Tel. 011-23268459, Mob.No. 9911198459
www.aljamiatulashrafia.org Email: info@aljamiatulashrafia.org

(For Education)	(For Construction)
(1) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Central Bank of India** **A/C 3610796165** IFSC. Code: CBIN 0284532	(1) Aljamiatul Ashrafia **Central Bank of India** **A/c 3610803301** IFSC. Code: CBIN 0284532
(2) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Union Bank of India** **A/C 303001010333366** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301	(2) Aljamiatul Ashrafia **Union Bank of India** **A/c 303002010021744** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301
(3) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Oriental Bank of Commerce** **A/c 05752010021920** IFSC. Code: ORBC 0100575 SWIFT Code: ORBCINBBIBD	(3) Aljamiatul Ashrafia **Oriental Bank of Commerce** **A/c 05752010021910** IFSC. Code: ORBC 0100575 SWIFT Code: ORBCINBBIBD

(3)- FCRA. Registration No.- 136250051
Nature:- Educational Social
Darul Uloom Ahle Sunnat Madarsa Ashrafia Misbahul Uloom
Oriental Bank of Commerce- A/C 05752010031950
IFSC. Code ORBC 0100575, SWIFT Code. ORBCINBBIBD

(1)- Exempted u/s 80G, (5) (VI), of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa.Ayukt/Gkp/80G, Redg. S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f A.Y 2012-13 (F.Y.2011-12)
(2)- Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12